www.urducouncil.nic.in

اگست 2019 ، قیمت :- /10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

اُردو دُنیا

ماہنامہ
دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

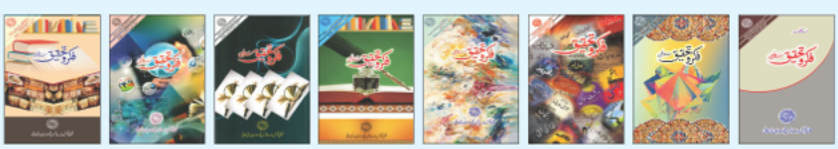

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 7 شمارہ: 08 اگست 2019

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون: 26109746
ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

حصہ	عنوان	مصنف	صفحہ
مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
یومِ آزادی	ہمارا وطن دل سے پیارا وطن	پنڈت برج نرائن چکبست	06
	وطن کا راگ	افسر میرٹھی	07
	ہمارا دیس	محمد مصطفیٰ خاں مداح	08
	میرا وطن	اشفاق کارنجوی	09
	قومی ترانہ	ارمغان ساحل سہسرامی	10
	یوم آزادی اور طالب علم کے فرائض	وجیتا پرویز	11
	یوم آزادی	عبدالواحد	14
	مولانا ابوالکلام آزاد	انصار احمد درویش	16
مضامین	جگدیش چندر بوس	احرار حسین	19
	کوڑی: ایک قدرتی سکّہ	سید ضیاء الحسن	21
	کامیابی کی منزلیں	عبدالعزیز عرفان	24
	عالمی حرارت	نسیم سعید	27
	ہندوستان کی پہلی بولتی فلم 'عالم آرا'	محمد طاہر صدیقی	30
کہانیاں	بات بس اتنی سی	حمید سہروردی	33
	لالچی ہیرا	محمد کلیم ضیا	36
	قومی پرندہ مور کی کہانی	محمد کلیم اللہ آزاد ندوی	38
نظمیں	آم ہیں کیا، ہیں رس کے غبارے	خالد سعید	40
	برتھ ڈے	ابرار اعظمی	41
	تربوز	متین اچل پوری	41
	رِم جھم	وحید واجد	42
	تعلیم کی اہمیت	فیض رتلامی	43
اردو کا جادو	اردو زبان کا جادو	ادارہ	44
قسط وار ناول	بے زبان ساتھی	وکیل نجیب	46
کہکشاں	کیمرے کا سفر	انتخاب بن تنویر	53
	اچھی باتیں	سید ارشاد عالم	54
	چمن چمن کے پھول	محمد ضمام الحق ابن محمد عین الحق	55
	ہنسی کے غبارے		57
ننھے فنکار	قومی کھیل	افرا محبوب سبحانی مکاندار	58
	برسات کا موسم رحمت بھی زحمت بھی	سمیر خلیل شاہ	59
	دوساتھی	تزئین محمد فاروق مالدار	60
	بچوں کی پینٹنگ		61

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! آپ سبھی کو یومِ آزادی کی مبارکباد۔ آپ سب جانتے ہیں کہ ہمارا ملک، 15 اگست 1947 کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا تھا، اس لیے اس دن کو ہمارے ملک کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس دن اسکولوں، کالجوں اور سبھی سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں ترنگا لہرایا جاتا ہے اور اس موقعے پر ملک کے شہیدوں و مجاہدین آزادی کے کارناموں کو یاد کیا جاتا ہے۔ ہمارے ان سورماؤں نے انگریزوں کے خلاف جب لڑائی چھیڑی تھی تو اُس وقت کے حالات بہت برے تھے۔ آج ہمیں جتنی سہولتیں حاصل ہیں، اُس زمانے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے لیکن کیا ہم محض اس ایک دن ہندوستان کی آزادی کو یاد کر کے ملک کے تئیں اپنا فرض ادا کر سکتے ہیں؟ کیا ہم محض ایک دن اپنے رہنماؤں کو خراجِ عقیدت پیش کر کے ملک کی ترقی کے لیے اپنا حق ادا کر سکتے ہیں۔ ان سوالوں کا جواب ہوگا ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ آزادی برسوں کی جدوجہد اور انتھک کوششوں کے بعد ملی ہے۔ ہم آج چھوٹی چھوٹی خواہشات کے لیے ضد کرتے ہیں، لڑتے جھگڑتے ہیں، ذرا سوچیے آج سے 70 سال پہلے جب ہندوستان کی سڑکوں پر انگریز حکومت کے سپاہی گشت کر رہے تھے اور کسی کو ان کے خلاف کچھ بولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہندوستانیوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا تھا، ایسے حالات میں ہندوستانیوں نے ثابت قدمی اور بہادری کا ثبوت دیا، انگریزوں کے خلاف ڈٹ گئے اور انھیں ملک سے باہر کا راستہ دکھایا اور ملک کو آزادی دلائی۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم نے آزاد فضا میں آنکھ کھولی۔

اس ملک پر غیر ملکی حکمرانوں کی نظریں یونہی نہیں لگی تھیں۔ دراصل یہ ملک جہاں حسین اور دلکش مقامات اور متبرک سرزمین کے طور پر ساری دنیا میں جانا جاتا تھا، وہیں یہاں کی قومی یکجہتی، محبت و اخوت، بھائی چارگی اور رواداری ہمیں ساری دنیا میں ممتاز بناتی تھی اور یہی ہماری پہچان تھی، اس پہچان کو ہمیں ہر قیمت پر بچا کر رکھنا ہے۔ دنیا کے سارے مذاہب ہمیں محبت، ایمانداری اور بھائی چارے کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہمیں ہندوستان کو پھر سے سونے کی چڑیا بنانے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا ہوگا کیونکہ ہمارا اتحاد ہی ہماری طاقت ہے اور ہم سب اگر ایک ہوگئے تو یقیناً ملک ترقی کی نئی تاریخ لکھے گا۔

دوستو! آپ سب اپنے محلّہ، پڑوس اور کلاس کے ساتھیوں سے محبت سے پیش آیا کریں۔ آپ کا اچھا سلوک ہی آپ کی زندگی کو خوبصورت بنائے گا۔ اچھی تعلیم، اچھی تربیت اور اچھے اخلاق کے بغیر اچھا اور خوبصورت ملک ہرگز نہیں بن سکتا، یہی وہ چیز ہے جو ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہمیں ایک پیارا سا ہنستا کھیلتا ہندوستان بنانے کے لیے بھید بھاؤ کو مٹا کر گلے ملنا ہوگا، ایک دوسرے کی خوشی و غم میں شریک ہونا ہوگا۔ اگر ہم آپس میں لڑتے رہیں گے تو ہمارے ساتھ ساتھ ہمارا ملک بھی کمزور ہو جائے گا اور پوری دنیا ہمیں نیچی نظروں سے دیکھے گی۔

یومِ آزادی کی مناسبت سے اس شمارے میں کئی تحریریں شامل ہیں جو یقیناً آپ سب کو پسند آئیں گی۔ 'بچوں کی دنیا' پر آپ کی رائے اور مشوروں کا ہم استقبال کرتے ہیں۔ ہمیں آپ کے خطوط کا انتظار رہے گا۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

فروری 2019 'بچوں کی دنیا' نظر سے گزرا۔ ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کا اداریہ بہت خوب ہے۔ 'آپس کی باتیں' میں ڈاکٹر صاحب نے بچوں کو نفسیاتی طریقوں سے تعلیم و تربیت کی راہوں پر کم وقت میں زیادہ ترقی کرنے کے گر سکھائے ہیں۔ 'رنگوں کی کہانی' سائنسی نقطۂ نظر سے بہت خوب اور معلوماتی مضمون ہے۔ 'پال واکر' سے متعلق اچھی خاصی معلومات ہے۔ مظفر حنفی کی نظم 'اب تو آجا' بہت اچھی ہے۔ 'بلجیم نے پہلی مرتبہ ہاکی کا عالمی کپ جیتا' صرف معلوماتی ہی نہیں بے انتہا دلچسپ مضمون ہے۔ 'دوستی بچو! کتابوں سے کرو'، 'دیش کا فوجی' نظمیں قلمکاروں کی اچھی کاوشیں ہیں۔ بچوں کے لیے قسط وار ناول 'شہر میں جنگل' میری نظر میں اس لیے بھی اہم ہے کہ اس ترجمہ شدہ ناول میں، چند الفاظ، چند فقرے، چند جملے زبان دانی کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ اپنی بات واضح کرنے کے لیے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

چند الفاظ: برگد، تاڑ، انجیر، تیزپات، منصوبہ بندی، چھوٹا سا تالاب، تاریک ترین افریقہ۔

چند فقرے: برگد کا درخت، درختوں کی جڑیں، شیشے کی بوتلیں، کوئل زمین پر تھرکتی، متواتر حیرانی اور کشش، کنکریٹ کی پٹی، سائیکل پر سوار، چھوٹے چھوٹے جھنڈ، چڑیوں کی نئی قسمیں—

چند جملے: (1) ایک شام طلبہ کی ایک جماعت سائیکلوں پر

جارہی تھی۔ (2) بگلے اپنی دن کی آرام گاہوں کی طرف بڑھتے نظر آرہے تھے۔ (3) کھلی چونچ والے سارس اور دوسری چڑیاں پر ہلاتی ہوئی ان بگلوں سے مختلف سمت میں اڑتی نظر آرہی تھیں۔ ڈاکٹر احمد حسن زویل بابائے فیموکیمسٹری سے بہت سارے خوبصورت مگر سچ اور درست نکات کی وضاحت ہوتی ہے۔ خصوصاً اس مضمون کے لیے ادارہ کے ساتھ 'جنید عبدالقیوم شیخ بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

چند باتیں جو مجھے کہنی ہیں وہ یہ ہیں کہ جہاں آپ بچوں کی دنیا کے لیے آسان اور عام فہم نثری و شعری مواد فراہم کررہے ہیں، ایسی تخلیقات کی اشاعت سے پرہیز کیا جائے جو بچوں کے ذہنوں پر بہ اعتبارِ فہم بارِ گراں ہوں۔

اشفاق کارنجوی، جی این آزاد اردو ہائی اسکول و جونیئر کالج، باڑے گاؤں، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' ایک میگزین ہی نہیں بلکہ بچوں میں ایک تحریک کی صورت دن بہ دن اختیار کرتا جارہا ہے۔ پورے ملک کے ساتھ ساتھ وادی کشمیر میں بھی اس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے جس کی ایک جیتی جاگتی مثال گورنمنٹ مڈل اسکول ہردہ بنی گلمرگ کی ہے جس کے اکثر بچے نہ صرف اس کا مطالعہ کرتے ہیں بلکہ باقی اسکولوں کے بچوں کو پڑھنے کی دعوت بھی دیتے ہیں۔

مظفر حسین بیگ، گلمرگ، جموں و کشمیر

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

یہ ہندوستاں ہے ہمارا وطن
محبت کی آنکھوں کا تارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ ساون میں کالی گھٹا کی بہار
وہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوہار
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ اس کے درختوں کی تیاریاں
وہ پھل پھول پودے وہ پھلواریاں
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ باغوں میں کوئل وہ جنگل کے مور
وہ گنگا کی لہریں وہ جمنا کا زور
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

ہوا میں درختوں کا وہ جھومنا
وہ پتوں کا پھولوں کا منہ چومنا
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

اسی سے ہے اس زندگی کی بہار
وطن کی محبت ہو یا ماں کا پیار
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

■

بحوالہ: آزادی کی نظمیں، مرتب: سبط حسن
سنہ اشاعت: 2006، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

افسر میرٹھی

وطن کا راگ

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے
ہر رُت ہر اک موسم اس کا کیسا پیارا پیارا ہے
کیسا سہانا کیسا سندر پیارا دیس ہمارا ہے
دکھ میں، سکھ میں، ہر حالت میں بھارت دل کا سہارا ہے
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

سارے جگ کے پہاڑوں میں بے مثل پہاڑ ہمالہ ہے
پربت سب سے اونچا ہے یہ پربت سب سے نرالا ہے
بھارت کی رکھشا کرتا ہے، بھارت کا رکھوالا ہے
لاکھوں چشمے بہتے ہیں اس میں، لاکھوں ندیوں والا ہے
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

گنگا جی کی پیاری لہریں گیت سناتی جاتی ہیں
صدیوں کی تہذیب ہماری یاد دلاتی جاتی ہیں
بھارت کے گلزاروں کو سرسبز بناتی جاتی ہیں
کھیتوں کو ہریالی دیتی پھول کھلاتی جاتی ہیں
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

ہرے بھرے ہیں کھیت ہمارے، دنیا کو اَن دیتے ہیں
چاندی سونے کی کانوں سے ہم جگ کو دھن دیتے ہیں
پریم کے پیارے پھول کی خوشبو گلشن گلشن دیتے ہیں
امن و اماں کی نعمت سب کو بھر بھر دامن دیتے ہیں
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

کرشن کی بنسی نے پھونکی ہے روح ہماری جانوں میں
گوتم کی آواز بسی ہے محلوں میں میدانوں میں
چشتی نے جو دی تھی مے وہ اب تک ہے پیمانوں میں
نانک کی تعلیم ابھی تک گونج رہی ہے کانوں میں
بھارت پیارا دیش، ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

مذہب کچھ ہو ہندی ہیں ہم سارے بھائی بھائی ہیں
ہندو ہیں یا مسلم ہیں یا سکھ ہیں یا عیسائی ہیں
پریم نے سب کو ایک کیا ہے پریم کے ہم شیدائی ہیں
بھارت نام کے عاشق ہیں ہم بھارت کے سودائی ہیں
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

■

بحوالہ: آزادی کی نظمیں، **مرتب**: سبط حسن، **سنہ اشاعت**: 2006، **ناشر**: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

محمد مصطفیٰ خاں مداح

ہمارا دیس

جگ سے بھلا سنسار سے پیارا
دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا
سب سے انوکھا سب سے نیارا
دنیا کے جینے کا سہارا
پیارا بھارت دیس ہمارا

ملک کو حاصل ہو آزادی
ختم ہو دورِ ستم ایجادی
دور ہو اس کی سب بربادی
چرخ پہ چمکے بن کے تارا
پیارا بھارت دیس ہمارا

کتنی اچھی اس کی ادائیں
کتنی دلکش اس کی فضائیں
مشک سے بڑھ کر اس کی ہوائیں
خلد سے بہتر اس کا نظارا
پیارا بھارت دیس ہمارا

ہم میں پیدا ہو یک جائی
سب ہوں باہم بھائی بھائی
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی
گائیں مل کر گیت یہ پیارا
پیارا بھارت دیس ہمارا

■

بحوالہ: آزادی کی نظمیں، **مرتب:** سبط حسن، **سنہ اشاعت:** 2006، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

میرا وطن

مجھے جاں سے پیارا ہے میرا وطن

یہ گرتی ہوئی آبشاریں کہیں
یہ دریا یہ چشموں کے منظر حسیں
یہ موجیں سمندر کی ہیں دلنشیں
کہ جنت کا ٹکڑا ہے میرا وطن
مجھے جاں سے پیارا ہے میرا وطن

اجنتا ایلورہ کے نقش و نگار
ہے بی بی کا روضہ عجب خوشگوار
عجب تاج ہے اک حسیں شاہکار
کہ جمنا ندی کا ہے میرا وطن
مجھے جاں سے پیارا ہے میرا وطن

نظامِ چمن کے نگہباں جو ہو
تو منصف گلستاں کے بن کر جیو
مٹا دو وطن سے فسادات کو
سکوں کا ہی شیدا ہے میرا وطن
مجھے جاں سے پیارا ہے میرا وطن

سدا دِل ہے چاہت میں جس کی مگن
جہاں جاؤں رہتی ہے جس کی لگن
سلگتی ہے یادوں کی دل میں اگن
وہ آنکھوں کا تارا ہے میرا وطن
مجھے جاں سے پیارا ہے میرا وطن

■

Ashfaq Karanjvi
GN Azad Urdu High School, Baregaon
Taulluqa, Balapur
Distt: Akola (MS)

قومی ترانہ

ہماری تمنا کا گلشن کھلا ہے
غلامی کا منحوس سایہ ڈھلا ہے
بڑی کوششوں سے ترنگا ملا ہے
ہماری اخوت کا پرچم جواں ہے
یہ ہندوستاں ہے، یہ ہندوستاں ہے

غلامی کی بیڑی کو توڑا ہے ہم نے
اکائی کی ڈوری سے جوڑا ہے ہم نے
عداوت کے طوفاں کو موڑا ہے ہم نے
ہماری اخوت کا پرچم جواں ہے
یہ ہندوستاں ہے یہ ہندوستاں ہے

کہیں ماں سے بیٹے کو چھینا گیا ہے
سہاگن کا سندور کچلا گیا ہے
کہ تب جا کے ہم کو وطن یہ ملا ہے
ہماری اخوت کا پرچم جواں ہے
یہ ہندوستاں ہے، یہ ہندوستاں ہے

کیے جان و دل ہم نے قربان ایسے
امر ہیں وہ حب وطن کے دوانے
ہوئے سچ یہ آزاد و نہرو کے سپنے
ہماری اخوت کا پرچم جواں ہے
یہ ہندوستاں ہے یہ ہندوستاں ہے

ترنگے کے سائے میں ساحل رہیں گے
کبھی دشمنوں سے نہ ہرگز ڈریں گے
وفاؤں کے رستے پہ ہر دم چلیں گے
ہماری اخوت کا پرچم جواں ہے
یہ ہندوستاں ہے، یہ ہندوستاں ہے

■

Dr. Armoghan 'Sahil'
4/160, Mandi Keshwar Khan
Sasaram - 821115 (Bihar)

وجیتا پرویز

یومِ آزادی اور طالب علم کے فرائض

طالب علم بے شک علم کا طلب کرنے والا ہوتا ہے۔ سچا طالب علم صرف علم کی جستجو میں ہی نہیں رہتا بلکہ اپنی ذمے داریوں کو بھی خوب سمجھتا ہے۔ وہ علم کے حصول کے ساتھ اپنے مادرِ وطن کی خدمت کو اپنا اوّلین فریضہ سمجھتا ہے۔ اس کی شروعات سب سے پہلے وہ اپنے گھر اور اسکول سے کرتا ہے، اپنے آس پاس کی صفائی، بزرگوں کی خدمت، بڑوں کے احکام ماننا، اساتذہ کی عزت، والدین کی فرماں برداری، قومی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا یہ ایک اعلیٰ صفات طالب علم کی پہچان ہے۔ وطن سے کسے محبت نہیں ہوتی۔ جانور بھی جہاں رہتا ہے وہاں سے اس کا لگاؤ ہو جاتا ہے، پھر انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ حب الوطنی ایک ایسا جذبہ ہے جو شہری، دیہاتی، عالم و جاہل، امیر و غریب سب میں یکساں ہوتا ہے۔ آج کا طالب علم کل کا ذمے دار شہری ہے۔ اسے ملکی معاملات میں دلچسپی لینی چاہیے۔ اسے پورا حق ہے کہ ملک کی بہتری کے لیے سوچے اور اپنے رہنماؤں سے سوال و جواب کرے۔ وہ دوسروں کی باتوں میں نہ آئے بلکہ اپنا ذہن لگائے اور قومی اتحاد اور ملت کی مثال بنے۔ طالب علموں کے ملکی فرائض میں یہ داخل ہے کہ وہ جرم کے خلاف متحد ہوں۔ جس ملک کی عوام ایسے جذبے کو دلوں میں

رکھتے ہیں وہ ملک ہمیشہ ترقی کی راہ میں پیش پیش رہتا ہے۔ وطن کی محبت کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ اپنے انفرادی فائدے کو قربان کرکے ملک کی ترقی کے لیے جی توڑ کوشش کی جائے۔ ہم کہیں بھی ہوں وطن کی یاد اور کسک کو دل سے نہ نکلنے دیں۔ وطن سے محبت پیدا کرنے کی ذمے داری طلبا میں محض استاد کی نہیں ہے بلکہ یہ گھر میں ہی، ماں کی گود سے شروع ہو جاتی ہے۔ سیکڑوں وطن پر مٹنے والے طلبا اور وطن پرستوں کی مائیں بھی اپنی اولادوں کو اپنی گود میں ہی وطن پرستی اور وطن دوستی کی لوریاں سناتی رہی ہیں۔

ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ ہیں۔ سب کے اپنے اپنے مذہبی اصول اور طریقے ہیں۔ ان کے اپنے تہوار ہیں لیکن کچھ ایسے بھی تہوار ہیں جن پر مذہبی اصول کی کوئی قید و بند نہیں بلکہ یہ ملک کے اتحاد کو ظاہر کرتے ہیں۔ یومِ جمہوریہ، یومِ آزادی اور مہاتما گاندھی کے یومِ پیدائش کو ہم قومی تہوار کی شکل میں مناتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کے سنہرے دن کے طور پر ہم یومِ آزادی کو بہت جوش و خروش کے ساتھ مناتے ہیں۔ 15 راگست 1947 کو ہمارا ملک انگریزی حکومت سے آزاد ہوا اور اسی دن کو ہم یومِ آزادی کی شکل میں مناتے ہیں۔ غلامی کا عرصہ تقریباً 200 برسوں کا رہا ہے۔ انگریزی حکومت جو چاہتی کرتی تھی، ہمیں اپنے حقوق سے دور رکھا گیا۔ ان کی مرضی چلتی رہی۔ ملک کے عظیم رہنماؤں نے اپنی جان کی بازی لگا کر مختلف طریقوں سے انگریزی حکومت سے لوہا لیا اور ہمارا ملک آزاد ہوا۔ اس آزادی نے ہمیں بہت کچھ بخشا اور ہم نے بہت کچھ کھویا۔ تقسیم ملک اس میں ایک بڑا سانحہ ہے۔ تقسیم ملک کے بعد دونوں حصوں میں کافی جانیں گئیں۔ 15 راگست 1947 کو بہرحال لارڈ ماؤنٹ بیٹن انگریز گورنر نے اپنے عہدے کا چارج شری راج گوپال آچاریہ کو دے دیا اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم کے طور پر جناب پنڈت جواہر لعل نہرو نے حلف لیا اور لال قلعہ پر ہندوستانی پرچم ترنگا لہرایا۔ وہ روایت آج بھی جاری ہے اور ہر سال یومِ آزادی پر ترنگا لال قلعہ پر لہرایا جاتا ہے اور صرف لال قلعہ ہی کیوں ملک کے ہر گوشے، گلی، محلے میں یہ تقریب پورے جوش و خروش سے منائی جاتی ہے۔ بچے بوڑھے جوان، امیر و غریب، ہر ذات، ملّت و مذہب کے لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری عمارتوں پر ترنگا لہرایا جاتا ہے۔ جلسے منعقد ہوتے ہیں، شہیدانِ وطن کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے، آزادی کی تحریک اور قربانیوں کے بارے میں عوام کو مطلع کیا جاتا ہے اور وطن دوستی، اور حبّ الوطنی کے جذبہ کو ابھارا جاتا ہے۔ اس آزادی کے صحیح مطالب سے عوام کو روبرو کیا جاتا ہے، اس کے حقوق اور قوانین پر تقریر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی حقوق کی پامالی سے بچنے کی تدبیر پر بھی بیان ہوتا ہے اور ہر ہندوستانی اپنے مادرِ وطن کی آزادی کو برقرار رکھنے کا حلف لیتا ہے اور اس کے تحفظ و بقا کو بنائے رکھنے کی قسم کھاتا ہے۔

انگریزی سامراج سے آزادی ہمیں اتنی آسانی سے نہیں ملی۔ ہمارے بزرگوں نے اس آزادی کی بہت بڑی قیمت ادا کی ہے۔ ٹیپو سلطان، بہادر شاہ ظفر، جھانسی کی رانی، لکشمی بائی، تانتیا ٹوپے سے لے کر اشفاق اللہ خاں، چندر شیکھر آزاد، راج گرو اور شہید بھگت سنگھ جیسے سورماؤں کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے مسکراتے ہوئے پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈالا یا اپنے سینے پر گولیاں کھائیں اور انقلاب زندہ باد کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مادرِ وطن پر قربان ہو گئے۔ ایک لمبی جدوجہد کے بعد گاندھی جی کی قیادت میں جواہر لعل نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، نیتا جی

سبھاش چندر بوس، رفیع احمد قدوائی، سردار پٹیل جیسے ہزاروں آزادی کے متوالوں نے انگریزی حکومت کے ظلم و ستم کو برداشت کرتے ہوئے ملک کو آزاد کرایا۔ ہمیں ان کی قربانیوں کی قدر کرنی چاہیے اور آپس میں پیار محبت، بھائی چارے اور امن و اتحاد کو بڑھاوا دینا چاہیے۔ اسی میں ہماری اور پوری قوم کی بھلائی اور ملک کی ترقّی چھپی ہوئی ہے۔ ایک کہاوت مشہور ہے ''آزادی کا ایک پل غلامی کے ہزار سال سے بہتر ہے'' ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قدر ہمارے اوپر لازم ہے۔ آج ہم یومِ آزادی کا 73 واں جشن منا رہے ہیں، یہ ملک نئی امنگیں، نئی توانائیاں اور نئی بلندیاں حاصل کرنے کے باوجود کئی ایسے مسائل سے اب بھی گھرا ہوا ہے جنھیں دور کرنا بے حد ضروری ہے۔ چاہے بڑھتی آبادی کا مسئلہ ہو، روزگار کی کمی کا مسئلہ ہو، بنیادی تعلیم یا اعلیٰ تعلیم جس میں خواتین خاص طور پر پیچھے ہیں۔ پینے کے پانی کے معقول بندوبست اور ملک کے حفاظتی انتظامات جیسے کئی مسائل سے ہم آج بھی لڑ رہے ہیں۔

ان مسائل سے لڑنے کے لیے ملک کے نوجوانوں کو بطور خاص آگے آنا ہوگا۔ ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ ماضی میں ہماری عظیم شخصیات نے بے پناہ قربانیاں دے کر ملک کو آزاد کرایا لیکن آج اہم سوال یہ ہے کہ کیا اس آزادی کا مقصد پورا ہو رہا ہے؟ کہیں ہم اپنے شہیدانِ وطن کی عظمت اور اہمیت کو باقی رکھنے میں کوئی کمی تو نہیں چھوڑ رہے ہیں۔ اس پر غور و فکر کی شدید ضرورت ہے۔ کئی شعبوں میں ہمیں کام کرنا ہے۔ ہمیں اپنے سامنے آنے والے ہر چیلنج کو قبول کرنا ہوگا اور اس کو دور کرنے کی سعی بھی کرنا ہوگی۔ آزادی کے بعد ہندوستان نے ترقی کا ایک لمبا سفر طے کیا ہے، اس حقیقت سے آنکھیں نہیں چرائی جاسکتیں

حالانکہ منزل ابھی دور ہے مگر کوشش جاری رکھنا ہوگی۔ کچھ شعبوں میں، خصوصی طور پر سائنس اور ٹکنالوجی میں ہمارے قدم دیگر ممالک سے بہتر ہیں۔ خلائی تحقیق کے معاملے میں بھی ہمارا ملک دوسرے کئی ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ قدم سے قدم ملانے کا احساس دلا رہا ہے۔ ہم اپنی حفاظتی انتظام میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ایٹمی قوت اور میزائل پروگراموں کی توسیع کی وجہ سے کوئی ملک ہمیں اپنی آنکھیں نہیں دکھا سکتا۔ طلبا کے تعلیم کی حصولیابی کی شرح میں بھی کافی ترقی دیکھنے کو مل رہی ہے، بہرحال ملک ترقّی کی راہوں پر گامزن ہے۔ اس شعر کے ساتھ اپنی بات کو ختم کرتی ہوں ؎

وطن کے جاں نثار ہیں وطن کے کام آئیں گے
ہم اس زمیں کو ایک روز آسماں بنائیں گے

(جعفر ملیح آبادی)

■

Vijayata Perwez
Asst. Prof.,College of Teacher Education
Maulana Azad National Urdu University,
Hyderabad(Telangana)

عبدالواحد

یومِ آزادی

ہر سال پندرہ اگست کو ہم یوم آزادی مناتے ہیں۔ اسی دن 1947 میں ہمارا ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا تھا۔ اس آزادی کے لیے ہمارے ملک کے عظیم رہنماؤں نے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ جن میں مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لعل نہرو، مولانا آزاد، مولانا محمد علی جوہر، بھگت سنگھ، اشفاق اللہ خان اور نہ جانے کتنے مجاہدین آزادی شامل ہیں۔

آزادی کی سب سے پہلی لڑائی 1857 میں لال قلعہ سے شروع ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ آزادی کے بعد سب سے پہلا ترنگا لال قلعے پر ملک کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے لہرایا تھا جس کی یاد میں ہر سال یوم آزادی کے موقع پر وزیر اعظم کے ہاتھوں لال قلعے پر ترنگا جھنڈا لہرایا جاتا ہے اور اس تاریخی دن کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔

اس سال 2019 میں ہم اپنی آزادی کی 73 ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ اس روز پورے ملک میں خصوصی پروگرام ہوتے ہیں اور سب سے اہم تقریب دہلی کے لال قلعے پر ہوتی ہے۔ جب وزیر اعظم کے ہاتھوں ترنگا لہرایا جاتا ہے اور وہ قوم سے خطاب کرتے ہیں۔

اس دن کی تاریخی اہمیت ہے۔ اس روز ہم ان شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جنھوں نے ملک کی آزادی کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔

راجدھانی دہلی کے ساتھ ساتھ ملک کی تمام ریاستوں میں بھی یوم آزادی کے موقعے پر خصوصی تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جہاں ریاستی گورنر یا وزیر اعلیٰ پرچم کشائی کرتے ہیں اور پریڈ کی سلامی لیتے ہیں۔

یوم آزادی کے موقع پر مختلف مقامات پر صبح سویرے طلبا کی ریلی بھی نکالی جاتی ہے۔ جس کے ذریعہ آزادی کا پیغام عام

کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف تعلیمی اداروں میں خصوصی تقریبات کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

اب کچھ باتیں ہمارے قومی نشانات کے تعلق سے۔ ہمارا قومی جھنڈا جسے ترنگا بھی کہتے ہیں تین پٹیوں پر مشتمل ہے۔ جو زعفرانی سفید اور سبز رنگ کی ہیں۔ اس پرچم کے درمیان میں نیلے رنگ کا اشوک چکر ہے۔ ہمارا قومی پرچم کا تناسب 2/3 ہوتا ہے۔ جبکہ سبھی رنگ کی پٹیاں لمبائی اور چوڑائی میں برابر ہوتی ہیں۔

جھنڈا لہرائے جانے کے موقع پر قومی ترانہ جن گن من گایا جاتا ہے۔ بنگلا کے مشہور ادیب رابندر ناتھ ٹیگور نے اس کی تخلیق کی تھی۔ ان کو ادب کا نوبل انعام بھی ملا تھا۔

اگر ہم ملک کی دیگر قومی علامات کی بات کریں تو ہمارا قومی نشان اشوک چکر ہے۔ ہمارا قومی جانور ہے۔ رائل بنگال ٹائیگر ہے۔ قومی پرندہ مور ہے۔ قومی درخت برگد ہے۔ قومی پھل آم ہے۔ قوم پھول کنول ہے۔ قومی کھیل ہاکی ہے۔ قومی دریا گنگا ہے۔

اگر تاریخ کی بات کریں تو ہمارے ملک کے کئی نام تھے لیکن آزادی کے بعد سرکاری طور پر ملک کا نام بھارت رکھا گیا۔ لیکن عالمی زبانوں میں اس کا نام انڈیا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے جو اس وقت 29 صوبہ جات اور 7 مرکزی زیر انتظام خطوں پر مشتمل ہے۔

ہمارا ملک دنیا کا واحد ایسا ملک ہے جہاں سب سے زیادہ علاقائی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جن میں اردو بھی شامل ہے۔ ہمارے آئین کے مطابق اردو زبان کو 22 سرکاری کام کاج کی زبانوں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ جبکہ مختلف ریاستوں میں اسے دوسری سرکاری کام کاج کی زبان کا درجہ بھی حاصل ہے۔

اگر تہذیب وثقافت کی بات کی جائے تو بھارت ہزاروں سال سے تہذیب وتمدن کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔ یہاں دنیا کے تمام مذاہب کے پیروکار بستے ہیں۔

یوم آزادی کے علاوہ ہمارے دو بڑے قومی تہوار یوم جمہوریہ اور گاندھی جینتی ہیں۔ 26 جنوری یوم جمہوریہ کے طور پر جبکہ 2 اکتوبر گاندھی جی کے یوم ولادت کو گاندھی جینتی کے طور پر منایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ملک کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کے یوم ولادت کی مناسبت سے 14 نومبر کو یوم اطفال کے طور پر منایا جاتا ہے۔ جبکہ ملک کے دوسرے صدر جمہوریہ (جو کہ ایک معروف ماہر تعلیم تھے) ان کے یوم پیدائش 5 ستمبر کو یوم اساتذہ کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے اس جدید تعلیمی نظام کے معمار مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔ یہ آزاد بھارت کے سب سے پہلے وزیر تعلیم تھے۔ ان کا یوم ولادت 11 نومبر یوم تعلیم کے طور پر منایا جاتا ہے۔

آزادی کے بعد ہمارے ملک نے بہت ترقی کی ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے شعبے میں ہندستان آج دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں ہے۔

آیئے آج یوم آزادی کے موقعے پر ہم یہ عہد کریں کہ ملک کو ترقی کی اونچائی تک لے کر جائیں گے اور پوری دنیا میں ہمارا سر فخر سے بلند ہوگا۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

■

Abdul Wahid
M 61 Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025

انصار احمد درویش

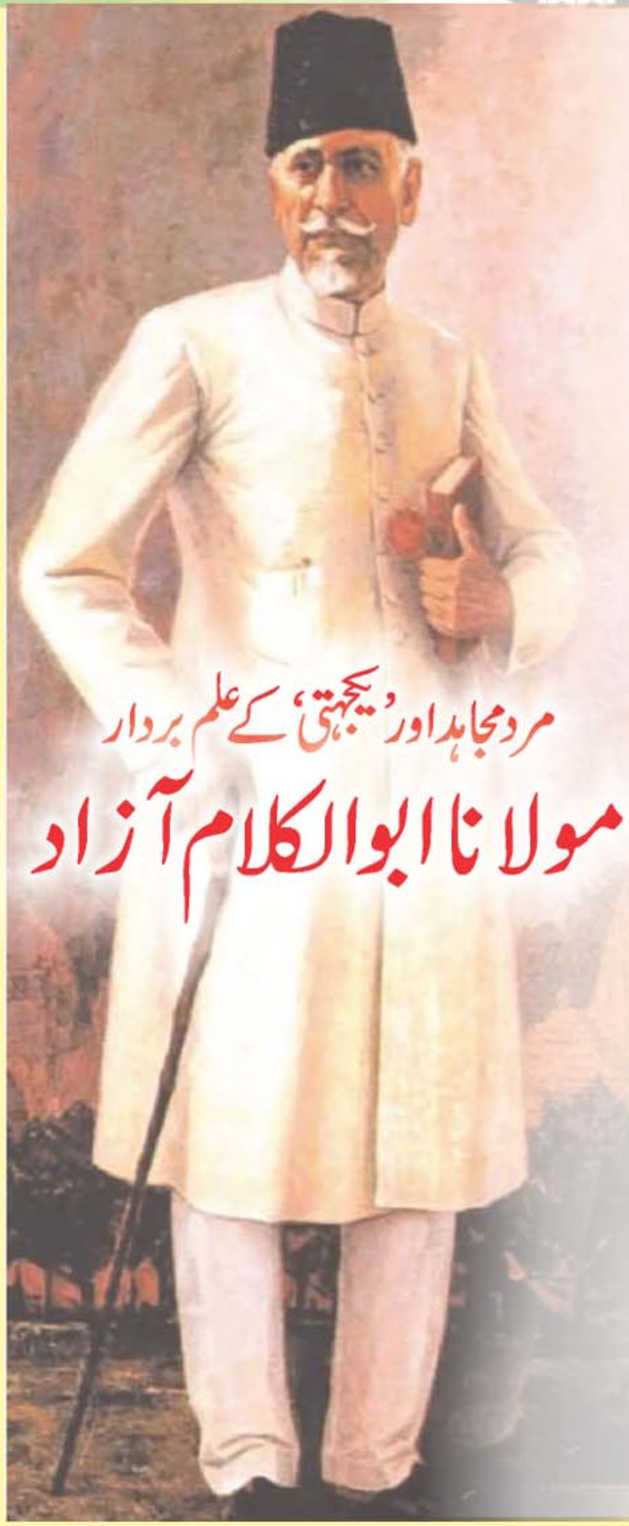

مردِ مجاہد اور 'یکجہتی' کے علم بردار
مولانا ابوالکلام آزاد

عزیز بچو! آج ہم آپ کو ایک ایسے شخص کے بارے میں بتائیں گے جو ہندوستان کی تحریک آزادی میں بلند مقام رکھتے ہیں اور جنھوں نے آزادی کے مردہ جسم میں روح پھونک دی۔ جی ہاں اس شخص کو دنیا امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے جانتی ہے۔ ابوالکلام کی پیدائش مکہ معظّمہ میں ہوئی اور ان کا بچپن بھی حجاز کی مقدس وادیوں میں گذرا جہاں ان کی ابتدائی تعلیم بھی ہوئی۔

مولانا بچپن سے ہی نہایت ذہین تھے، ان کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ان کے ہم جماعت طلبا ان کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ اس لیے انھیں ترقی دے کر طلبا کی اگلی جماعت میں شامل کر لیا جاتا اور تھوڑے ہی دنوں میں اگلی جماعت کے یہ طلبا بھی ان کے آگے سست رفتار سے چلنے والے ثابت ہوتے تھے۔ اس تیز رفتاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف چودہ برس کی عمر میں وہ درس نظامی سے فارغ ہو گئے اور ادبیات، منطق، فقہ اور حدیث کے مضامین پر انھیں عبور حاصل ہوگیا۔ اس زمانے میں عام طور پر یہ خیال رائج تھا کہ جب تک فارغ التحصیل طالب علم دوسرے ہم جماعت یا ان سے نچلے درجے کے طلبا کو نہ پڑھائے اپنے مضمون میں اسے پختگی حاصل نہیں ہوتی، اس لیے کچھ بچوں کو پڑھانے کا کام ان کو دیا گیا جنھیں مولانا آزاد مطول اور ہدایہ کا درس دینے لگے۔

مولانا آزاد کی ذہانت و فطانت کا اندازہ پنڈت نہرو اور مہاتما گاندھی وغیرہ نے بھی کیا اور بلبل

ہند سروجنی نائڈو نے ان کے بارے میں اپنے شاعرانہ انداز میں لکھا کہ ''آزاد کی عمر پیدائش کے وقت پچاس برس کی تھی'' پیارے بچو! اس بات کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ مولانا آزاد پچاس برس کے پیدا ہوئے تھے، بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ عہد طفلی و طالب علمی کے دور میں ان کے پاس اتنی ذہانت تھی جتنی ذہانت لوگوں کو ایک عمر گذارنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ان کے بچپن کا ایک اور واقعہ ہے۔ ان کی منجھلی بہن فاطمہ بیگم آرزو بتاتی ہیں کہ ''ان کے کھیل سات آٹھ سال کی عمر میں عجب انداز کے ہوا کرتے تھے۔ مثلاً وہ کبھی گھر کے تمام صندوقچوں اور بکسوں کو ایک لائن میں رکھ کر کہتے یہ ریل گاڑی ہے۔ پھر والد کی پگڑی سر پر باندھ کر بیٹھ جاتے اور ہم بہنوں سے کہتے کہ تم چلا چلا کر کہو ہٹو ہٹو راستہ دو، دلی کے مولانا آرہے ہیں... کبھی وہ گھر میں اونچی چیز پر کھڑے ہو جاتے اور سب بہنوں کو آس پاس کھڑا کر کے کہتے کہ تم لوگ تالیاں بجاؤ اور سمجھو کہ ہزاروں آدمی میرے چاروں طرف کھڑے ہیں اور میں تقریر کر رہا ہوں اور لوگ میری تقریر سن کر تالیاں بجا رہے ہیں۔ میں کہتی تھی کہ بھائی سوائے ہم دو چار کے یہاں اور کوئی نہیں ہے، ہم کیسے سمجھیں کہ ہزاروں آدمی یہاں کھڑے ہیں۔ اس پر وہ کہتے تھے کہ یہ تو کھیل ہے''۔

دیکھا بچو! کس طرح کھیل کھیل میں انھوں نے اپنے بچپن میں ہی ملک کی آزادی اور غلامی سے نجات حاصل کرنے کا جذبہ ہمیں دیا تھا۔ بچپن کے اس مبارک خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے کے لیے وہ آزادی کی لڑائی میں تن من دھن سے جٹ گئے۔ آزادی کے اس مشن کو سب سے پہلے انھوں نے اپنے رسالے 'الہلال' سے شروع کیا۔ ان کا یہ رسالہ آزادی کی روح سے مزیّن تھا اور بڑے دھواں دھار انداز سے شائع ہونے لگا۔ ملک کے بڑے بڑے ادیب و شاعر اور دانشوروں کو اس رسالے کا انتظار رہتا تھا۔ علامہ اقبال جیسے نامور شاعر بھی اس کے خریدار ہوئے اور اس وقت کے دوسرے لوگوں کو بھی اس جاندار رسالے کا خریدار بنایا۔ تقریباً ایک سال کی مدت تک نکلنے کے بعد الہلال کو انگریزوں کی بری نظر لگ گئی اور انھوں نے اس ہفتہ وار رسالے کو ضبط کر لیا اور اس کی تمام کاپیاں بھی ضبط کر کے ضائع کر دیں۔

الہلال کے بند ہونے پر مولانا آزاد کی روح بے چین ہوگئی اور انھوں نے 1915 میں ایک دوسرا ہفتہ وار رسالہ 'البلاغ' نکالنا شروع کیا۔ البلاغ الہلال کی طرح جوش و جذبات سے بھرا ہوا نہیں تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اگر مولانا اسے بھی الہلال کی طرز پر نکالتے تو انگریز اس رسالے کو بھی ضبط کر لیتے لیکن در پردہ یعنی اندر ہی اندر اس اخبار کا مشن بھی الہلال ہی کی طرح ملک وقوم کو انگریزوں کے چنگل سے آزادی دلانا تھا۔ لیکن یہ رسالہ بھی چار مہینے تک نکلنے کے بعد بند ہو گیا۔

رسالے تو نکلنے بند ہو گئے تھے لیکن مولانا میں جو آزادی کا جنون پیدا ہو گیا تھا اس میں بجائے کمی ہونے کے اضافہ ہوتا گیا۔ ان کے اسی جذبے نے انھیں بیسویں صدی کے دوسرے دہے میں ملک کے بہت بڑے سیوک مہاتما گاندھی سے ملایا جن کے ساتھ مولانا 'خلافت تحریک'، 'عدم تعاون تحریک یا ترک موالات'، 'سول نافرمانی' اور 'بھارت چھوڑو' جیسی بڑی تحریکات کا حصہ رہے۔ ان تحریکوں اور ملک کی آزادی کے لیے انھیں کئی مرتبہ جیل بھی جانا پڑا اس کے باوجود بھی اس مرد مجاہد، چٹان سا عزم رکھنے والے اور یکجہتی کے لیے جان نچھاور کر دینے والے شخص کے پیروں میں لغزش تک نہ آئی اور مسلسل یہ اپنی منزل مقصود کی جانب رواں دواں رہے۔

آزادی کے حصول میں انھیں بہت ساری دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ان کے سامنے سب سے بڑی پریشانی یکجہتی کی تھی۔ کیوں کہ ان کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ جب تک ہندو مسلم اتحاد نہیں ہوگا اور یہ دونوں قومیں ایک قوم بن کر انگریزی ظلم کا مقابلہ نہیں کریں گی اس وقت تک ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد نہیں ہوگا۔ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر مولانا ابوالکلام آزاد کو طعن و تشنیع کا شکار ہونا پڑا، دونوں فرقوں کی جانب سے اتحاد کے راستے میں روڑے ڈالے گئے اور شر پسندی کی کوشش کی گئی، یہاں تک کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے انھیں show boy تک کہہ دیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی انھوں نے کسی کا جواب تک دینا مناسب نہ سمجھا بلکہ اپنے راستے پر رہے۔

حیران کر دینے والی بات اس وقت سامنے آئی جب انگریز حکومت کی پالیسی 'بانٹو اور حکومت کرو' کے تحت کچھ بچولیوں (انگریزوں کے ایجنٹ) نے مولانا سے کہا کہ ''آزادی تو مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ہندو مسلم اتحاد کا بیڑا چھوڑ کر صرف اپنی کمیونٹی کی بات کریں''۔ یہ سن کر مولانا آزاد غصے سے لال ہو گئے اور ایسی بے تکی باتوں کا جواب انھوں نے 1923 کے انڈین نیشنل کانگریس کی جانب سے منعقدہ خصوصی اجلاس، دہلی سے خطاب فرمایا اور کہا کہ ''ہندو مسلم ایکتا کے بغیر ہمیں قومی آزادی نہیں مل سکتی بلکہ اس کے بغیر ہم انسانیت کے ابتدائی اصول بھی اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر آج ایک فرشتہ آسمان کی بلندیوں سے اتر آئے اور قطب مینار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کرے کہ سوراج 24 گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے بشرطیکہ ہندوستانی ہندو مسلم اتحاد سے دست بردار ہو جائیں تو میں سوراج سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ مگر اس سے دست بردار نہیں ہوں گا کیوں کہ اگر سوراج ملنے میں تاخیر ہوگی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہوگا لیکن اگر ہمارا اتحاد جاتا رہا تو عالم انسانیت کا نقصان ہوگا''۔

■

Ansar Ahmad
A-39/305, A-4 Bhairo Saraiyan
Varanasi - 221001 (UP)

احرار حسین

جگدیش چندر بوس 30 نومبر 1858 کو پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم سینٹ زیویئر اسکول میں ہوئی۔ اسکول کی تعلیم کے بعد آپ نے بی اے کی تعلیم کے لیے کلکتہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ آپ علم طبیعیات کی تعلیم میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ سائنسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ مذہبی روایات میں بھی یقین رکھتے تھے۔ رامائن اور مہابھارت کا روزانہ مطالعہ کرتے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کی چاہ اور تحقیق میں مصروف رہنے کی غرض سے آپ نے بیرون ملک جانے کا ارادہ کیا۔ پانی کے جہاز کا سفر کرکے کیمبرج یونیورسٹی لندن میں داخلہ لیا اور اپنی تعلیمی مصروفیات کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ کے استاد اور ہم جماعت طلبا آپ کی قابلیت کا اعتراف کرتے تھے۔ آپ نے 27 سال کی عمر میں بی ایس سی کی ڈگری کیمبرج یونیورسٹی سے حاصل کی اور 1896 میں کیمبرج یونیورسٹی سے ہی ڈی ایس سی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ گھر کی یاد اور وطن کی خدمت کرنے کی غرض سے آپ ہندوستان واپس آگئے اور پریسی ڈینسی کالج کلکتہ میں لیکچرر کی حیثیت سے فائز ہوگئے اور اس طرح تدریس کا کام شروع کیا۔ آپ اپنے تدریس کے کام کو بخوبی انجام دیتے تھے۔ طلبا آپ کی تدریس سے کافی خوش نظر آتے تھے اور تعریف کرتے تھے۔ جگدیش چندر بوس اپنے خالی اوقات کو تحقیقی کاموں میں صرف کرتے تھے۔ آپ کی دلچسپی علم طبیعیات کے علاوہ باٹنی میں بھی تھی۔ آپ نے اپنے تحقیقی کاموں سے یہ نتیجہ نکالا کہ جس طرح انسان زندگی رکھتے ہیں، اسی طرح پیڑ پودے بھی زندگی رکھتے ہیں۔ آپ کا کہنا تھا کہ جس طرح انسان آکسیجن سانس کے ذریعے لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائڈ خارج کرتے ہیں۔ اسی طرح رات کے اوقات میں یہ ہرے بھرے پیڑ پودے آکسیجن لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائڈ خارج کرتے ہیں۔ یہ پیڑ پودے حرکت

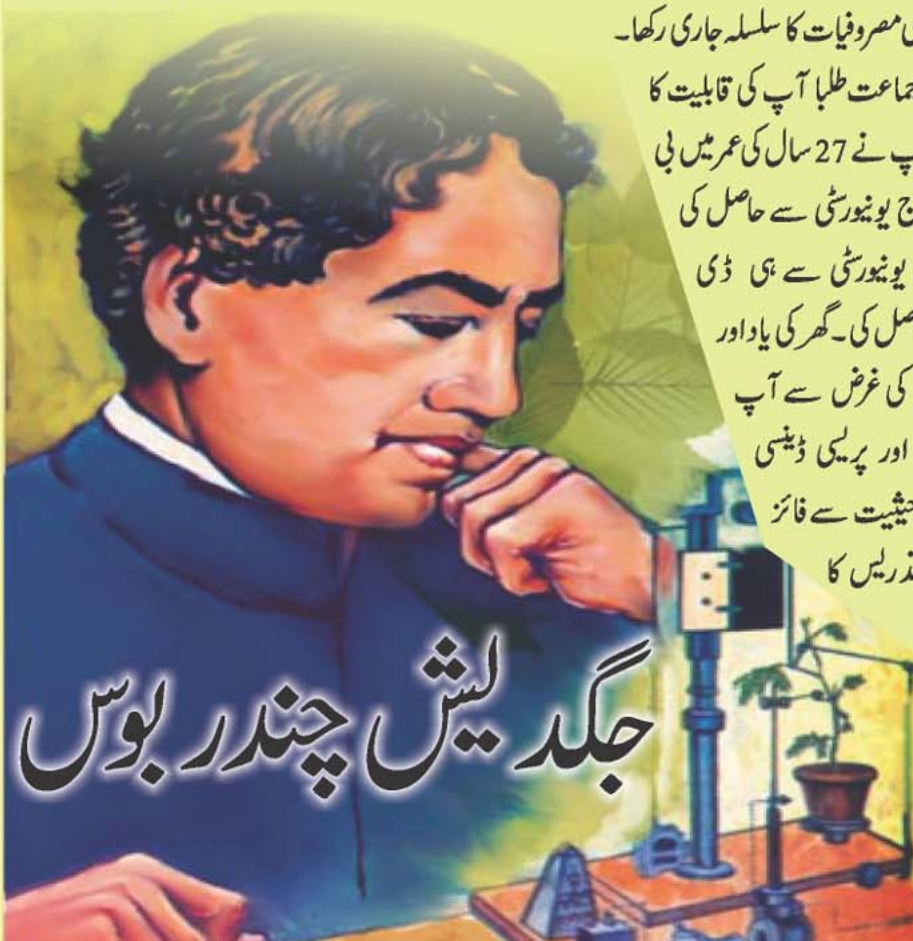

کرتے ہیں اور حساس ہوتے ہیں۔ آپ کی تحقیق سن فلاور پر بھی تھی۔ جو سورج کی روشنی کی طرف اپنا رخ کرلیتا ہے۔ وینس فلائی ٹریپ پر بھی تحقیق کی۔ منوسا پودوں کی تحقیق پر معلوم ہوا کہ اس طرح کے پودے چھونے سے مرجھا جاتے ہیں۔ ان سب ہی پودوں کی تحقیق سے یہ نتیجہ نکالا کہ جس طرح انسان احساس اور خواہش رکھتا ہے اسی طرح پیڑ پودے بھی رکھتے ہیں۔ ان سب تحقیقی کاموں سے جگدیش چندر بوس کو عالمی شہرت ملی۔ دنیا بھر کے سائنسی اداروں نے ان کو اپنے ممالک میں بلایا۔ 1901 میں رائل سوسائٹی آف انگلینڈ نے آپ کو لیکچرشپ دینے کے لیے مدعو کیا۔ انگریز سائنس دانوں نے آپ کے کارناموں کو سراہا۔ آپ نے اپنے تحقیقی کارناموں کو دنیا کے معیاری سائنسی جریدوں میں شائع کرایا۔ آپ کے معیاری کاموں کی وجہ سے رائل سوسائٹی آف انگلینڈ نے رکن منتخب کیا۔ یہ کسی بھی ہندوستانی سائنسداں کے لیے فخر کی بات تھی۔ 1885 میں کلکتہ یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے فائز ہوئے۔ 1926 میں برٹش ایسوسی ایشن آف آکسفورڈ نے آپ کو آکسفورڈ آنے کی دعوت دی۔ آپ نے کچھ وقت لندن کی فیراڈے تجربہ گاہ میں بھی گزارا۔ آپ کے صلاح کار اور ساتھی مشہور سائنسداں جیمس ڈاور اور لارڈ ریلی بھی تھے۔ آپ نے اپنے تحقیقی کاموں سے یہ اخذ کیا کہ سب ہی جاندار پیڑ پودے اور میٹلس احساس اور ایموشن رکھتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق انھوں نے اپنی تجربہ گاہ میں بنائے انسٹرومینٹ (آلہ) سے ریکارڈ کرکے کیا۔ اس مشین کو Creschograph کے نام سے جانا گیا۔ آپ نے اپنے تجربہ سے یہ بات ثابت کی کہ یہ پودے بھی شاک محسوس کرتے ہیں اور ایسی حالت میں مرجھا جاتے ہیں اور کچھ وقفہ کے بعد اپنی پہلی حالت میں واپس آجاتے ہیں۔ کریسکو گراف مشین سے یہ بھی ثابت کیا گیا کہ پودے وائرلیس ویوز کو محسوس کرتے ہیں اور الٹراوائیلیٹ شعاعوں پر بھی ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔

جگدیش چندر بوس کی تحقیق پیڑ پودوں اور ماحولیات کی تبدیلی کے اثر پر بھی تھی۔ پیڑ پودوں پر ان تبدیلیوں کے اثرات اور ان کے ردعمل کو جگدیش چندر بوس نے بہت باریکی سے مشاہدہ کیا۔ اس تحقیق کے علاوہ آپ نے ریڈیو ویوز پر بھی تحقیق کی۔ مائکروویوز بنانے کی مشین کی ایجاد بھی کی۔ آپ نے 1917 میں بوس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی اور آپ اس کے سب سے پہلے ڈائریکٹر بھی رہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کا مقصد تحقیقی کاموں کو فروغ دینا تھا۔ جگدیش چندر بوس 23 نومبر 1937 کو 78 سال کی عمر میں انتقال کرگئے۔ کہا جاتا ہے کہ انگلینڈ کے سفر کے دوران مشہور سائنسداں البرٹ آئن اسٹائن نے بھی جگدیش چندر بوس کے لیکچر سنے اور انھوں نے جگدیش چندر بوس کے مجسمہ کو کیپٹل آف لیگ آف نیشنز میں لگائے جانے کی تجویز پیش کی تاکہ دنیا کی سائنس برادری اس عظیم سائنسداں کے تحقیقی کارناموں کو ہمیشہ یاد رکھے۔ جگدیش چندر بوس نے ہندوستان کا نام روشن کیا اور یہ ثابت کیا کہ ہندوستان میں رہ کر بھی اعلیٰ پیمانے کی تحقیق کی جاسکتی ہے۔

■

ماخذ: عظیم سائنسداں، **مصنف:** احرار حسین
سنہ اشاعت: دوسری طباعت 2010
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سید ضیاء الحسن

کوڑی: ایک قدرتی سکّہ

1947 میں جب انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان کو آزادی ملی، اس وقت میں چھوٹا تھا لیکن پھر بھی میری عمر سات سال کی تھی۔ ملک کے ماحول میں ایک عجیب قسم کی دہشت اور ہیبت تھی۔ ہم بچوں کو دن میں باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی اور شام ہوتے ہی گھر کے اندر آجانے کو کہا جاتا تھا لیکن کبھی کبھی نانی امی کو جب کوئی ضرورت پیش آتی تو ان کے حکم سے گھر کے قریب لالہ رام چرن کی پرچون کی دوکان سے کچھ لانے کے لیے بھیجا جاتا تھا... محلّہ میں لالہ رام چرن کی دوکان بہت مشہور تھی اور ہر وقت اس پر خریداروں کی بھیڑ لگی رہتی تھی... ان کی دوکان بڑی صاف ستھری تھی۔ دوکان میں سامنے والی دیوار پر ایک کھلی الماری تھی۔ اس کی ہر ریک پر الگ الگ رنگ کے بہت سارے ڈبے سجے تھے اور خاص طور سے اوپر والی ریک پر کوئی آٹھ دس شیشے کے بڑے مرتبان رکھے ہوئے تھے جن میں خوبصورت کوڑیاں بھری تھیں۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ آخر ان کا مصرف کیا ہے.....؟ راہ چلتے کبھی کبھی اگر ایک آدھ کوڑی زمین پر پڑی مل جاتی تو میں اسے اٹھا کر گھر لے آتا..... محلے کے لڑکے جن سے میری دوستی تھی، کہتے ”اسے احتیاط سے رکھو جب چار پانچ جمع ہوجائیں گی تو ’چورا پٹّی‘ خریدیں گے..... اور واقعی جب کئی کوڑیاں جمع ہوجاتیں اور ’چوراپٹی‘ والا آواز لگاتا تو ہم لوگ دوڑتے۔ اسے پانچ چھ کوڑیاں دے کر، گڑ کی پٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اور ایک مٹھی چورا خرید لیتے..... اور پھر مزے سے کھاتے۔

ایک زمانہ گزر گیا لیکن ’چوراپٹی‘ کے علاوہ کسی دوسری چیز کی خریداری کا ذکر ہم نے نہ سنا اور نہ دیکھا..... البتہ مجھے یاد ہے۔ نانا جان نے ایک مرتبہ اپنے زمانے میں مزدوروں کی مزدوری کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ہم لوگ مزدور کو دن

بھر کی مزدوری میں چالیس کوڑیاں دیا کرتے تھے (جو اس وقت ایک پیسے کے برابر ہوتی تھیں) ہمارے پوچھنے پر نانا جان نے بتایا تھا کہ پہلے زمانے میں کوڑیاں بطور سکہ استعمال ہوتی تھیں اور اب چونکہ روپیہ آنہ پائی کا زمانہ آگیا ہے، اس لیے کوڑیوں کا رواج ختم ہوگیا ہے۔

میں بچپن سے ہی مطالعہ کا شوقین ہوں اور اپنی معلومات میں اضافہ کے لیے اچھی اچھی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں۔ اس وقت میرے مطالعہ میں جو کتاب ہے اس کا نام 'سقوط حیدرآباد' ہے۔ اِس میں اُس وقت کی مشہور ریاست حیدرآباد (دکن) (جس کے فرماں روا نظام حیدرآباد تھے) کی ہندوستان میں شامل ہونے کی تفصیل ہے۔ اس کے صفحہ باون پر 'کوڑی' کا تفصیلی ذکر پڑھا، تو پتہ چلا کہ اسی نوے سال قبل کوڑیاں باقاعدہ بطور سکہ استعمال ہوتی تھیں۔ اس کتاب میں یہ بھی تفصیل ہے کہ ایک پیسہ چالیس کوڑیوں کے برابر تھا۔ ایک ٹولی (حیدرآبادی سکہ) پانچ کوڑیوں کے برابر— ایک 'دمڑی' دس کوڑیوں کے برابر اور ایک دھیلا بیس کوڑیوں کے برابر ہوتا تھا۔

اسی مذکورہ کتاب کے صفحہ 64 پر تحریر ہے کہ ''جمعہ اور عیدین میں خصوصاً پیشہ ور فقرا مسجد اور عیدگاہ سے باہر راستہ کے دونوں طرف کھڑے رہتے تھے۔ ان کو کوئی پیسہ دو پیسے دیتے اور کوئی ایک ایک دو دو کوڑیاں بانٹتے جاتے تھے۔ اس وقت کوڑیوں کا چلن تھا۔ 'کوڑی' کی یہ تفصیلات پڑھنے کے بعد کوڑی سے متعلق کچھ محاورے بھی یاد آگئے۔ ان سے 'کوڑی' کی اہمیت کا مزید اندازہ ہوا۔ یہ محاورے آپ نے بھی سنے ہوں گے۔ (1) کوڑی کے مول (2) کوڑی پاس نہ ہونا (3) کوڑی کوڑی کا محتاج ہونا (4) کوڑی کوس دوڑنا (5) کوڑی کو نہ

پوچھنا (6) کوڑی کے تین بکنا یا کوڑی مول بکنا (7) کوڑی کے کام کا نہ ہونا (8) کوڑی کوڑی چکانا (9) پھوٹی کوڑی پاس نہ ہونا (10) کوڑی بھر ہونا — وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے محاورے ہیں لیکن میں نے یہاں صرف وہی محاورے لکھے ہیں جو بہت مشہور ہیں۔

مذکورہ کتاب میں ایک مزے دار بات یہ بھی لکھی ہے کہ اس زمانہ میں (اندازاً 1864 اور 1918 کے درمیان) بازار سے دمڑی اور دھیلے میں ہری مرچ، ہری دھنیا اور پودینہ وغیرہ تین چیزیں بہ آسانی آجاتی تھیں..... اسی طرح بھڑ بھونجا (لیّا چنے بیچنے والا) جب آواز لگاتا تو بچے دوڑتے اور کوڑیوں کے بدلے لیّا چنے، مرمرے، کھیلیں یا پٹی خرید لاتے تھے۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ آخر 'کوڑی' ہے کیا چیز؟ جو بطور سکہ استعمال ہوتی تھی..... کوڑی نہ دھات ہے نہ قیمتی پتھر اور نہ کسی پھل کا کوئی بیج!!..... اس کا تعلق سمندر سے ہے۔ درحقیقت سمندر میں پیدا ہونے والی ہزاروں (ذی حیات) مخلوقات میں سے ایک 'کوڑی' بھی ہے۔ انگلش ڈکشنری میں 'کوڑی' کو Sea Shell کہتے ہیں۔ لیکن سی شیل کی الگ الگ شکلوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ انھیں میں ایک مشہور قسم 'سیپی' بھی ہے۔ درحقیقت سیپی یا کوڑی ایک مضبوط، خوبصورت اور چمکدار خول ہے۔ اس کے اندر ایک زندہ اور جاندار کیڑا رہتا ہے۔ یہ خول ان نازک کیڑوں کے جسم کو محفوظ رکھتا ہے..... اور جب اندر رہنے والا کیڑا اپنی عمر پوری کر لیتا ہے یا مرجاتا ہے تو یہ سیپی یا کوڑی (Sea Shell) بے جان ہوجاتی ہے۔ پھر غوطہ خور انھیں سمندر سے نکال لیتے ہیں..... سمندر سے نکلنے کے بعد یہ مارکٹ میں پہنچ جاتی ہیں وہاں سے فنکار اور دستکار انھیں کم قیمت میں حاصل کرکے ان سے بہت سی مختلف خوبصورت چیزیں بنا کر بازار میں لوگوں کو بیچتے ہیں۔ ان چیزوں میں خواتین کے لیے 'کان کے رنگ'، جھمکے، جھمکیاں، بالے، بالیاں، جھومر — گلے کے ہار — ہاتھوں کے بریسلٹ وغیرہ بڑے بڑے شوق سے خریدی جاتی ہیں۔ بڑے سائز کے Sea Shell مندروں میں پجاری اور پنڈت حضرات بطور شنکھ بھی استعمال کرتے ہیں اور اس کی آواز کو متبرک مانتے ہیں۔ چوسر کھیلنے والے لوگ اچھی اور خوبصورت کوڑیوں سے چوسر کھیلتے ہیں۔ کچھ لوگ درمیانی سائز کی سی شیل (کوڑی) میں موم یا کوئی دوسری (وزنی چیز) بھر کر پیپر ویٹ بنا لیتے ہیں اور اب تو سمندر کے کنارے اور بازاروں میں کوڑیوں پر نقش و نگار بنائے اور نام بھی کھودے جاتے ہیں۔ الغرض انسان ان قدرتی اشیاء کو اپنے لیے مزید کارآمد بنا لیتا ہے اور ہاں! کچھ باذوق حضرات کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے ڈرائنگ روم (دیوان خانوں) میں 'شوپیس' کی طرح بھی استعمال کرتے ہیں۔

بہرحال اگر آپ غور کریں تو سمجھ میں آجائے گا کہ قدرت کے کارخانے میں کوئی بھی چیز بیکار نہیں ہے۔ شاید اسی جذبے سے مشہور شاعر علامہ اقبال نے کہا ہے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بڑا نہیں قدرت کے کارخانے میں

■

Syed Ziaul Hasan
Baitun-Noor, Behind Madehganj
Police Post, Sitapur Road
Lucknow - 226020 (UP)

عبدالعزیز عرفان

کامیابی کی منزلیں

عزیز طلبا و طالبات! میں آپ سے اور خصوصاً نوجوان دوستوں سے مخاطب ہوں لیکن زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے سب ہی اسے اپنا سکتے ہیں۔ انسانی زندگی میں کامیابی حاصل کرنا ہر ایک کا مقصد حیات ہوتا ہے۔ میں آپ کے لیے زندگی میں کامیابی کے حصول کی سات منزلیں لے کر حاضر ہوا ہوں۔ یہ منازل کامیابی حاصل کرنے کے ذرائع اور زینے ہیں۔ ان میں کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ انسان کسی بھی شعبے میں رہتے ہوئے ان اصولوں پر عمل کے ذریعے کامیابی حاصل کرسکتا ہے اور بہتر زندگی گزار سکتا ہے، ان میں کامیاب زندگی کا راز چھپا ہے۔

(1) عزم و حوصلہ: بھائیو اور بہنو! انسانی زندگی میں سب سے اہم جز عزم و حوصلہ ہے اور اصل کامیابی کا یہ پہلا زینہ ہے، ہمیں کسی بھی کام کو انجام دینے اور امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے عزم و حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے جسے آپ Daring کہتے ہیں، وہ ہمت والا ہوتا ہے، آگے بڑھ جاتا ہے، ہمارے طلبا پہلے ہی سوچ لیتے ہیں کہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا، ایم پی ایس سی/ یو پی ایس سی ر نیٹ رسیٹ میں کامیاب نہیں ہوسکتا؟ میرے بھائیو اور بہنو! آپ کو اپنی طاقت کا اندازہ نہیں۔ آپ بہت کچھ کرسکتے ہیں۔ پہلے مصمم ارادہ کیجیے۔ یقین، عزم و حوصلہ، خود اعتمادی رکھیے۔ آپ کو

معلوم ہے کہ یقین ہی کامیابی کی کُنجی ہے۔اسی لیے علامہ اقبال نے کہا ہے یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم ....، جو بچے یقین اور مصمم ارادہ رکھتے ہیں، ضرور کامیاب ہوجاتے ہیں۔ تمھارا عزم و حوصلہ پہاڑوں کی طرح مضبوط ہونا چاہیے۔ اسی کے ساتھ تمھاری سوچ اور خیال بھی مضبوط اور ٹھوس ہونا چاہیے اسی لیے شاعر کہتا ہے۔

حوصلہ ہی اصل شے ہے حوصلہ ہو گر بلند
ماہ و انجم تک پہنچنا کوئی مشکل نہیں

بھائیو! کوئی بھی کام ناممکن اور مشکل نہیں ہوتا Impossible اور 'مشکل' مت کہیے۔ جرمنی کا بادشاہ ہٹلر ہمیشہ کہتا تھا ''میری لغت میں ناممکن نہیں ہے''۔

"Impossible is not in my Dictionary"۔

اللہ تعالیٰ بھی ان بندوں کی مدد کرتا ہے جو ہمت کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے ''ہمتِ مرداں، مددِ خدا''۔ مشکلات، خطرات کا مقابلہ کرنا زندگی ہی ہے، قوتِ ارادی مضبوط رکھیں۔ مستقل مزاجی، بلند عزم و حوصلہ رکھیں، محنت اور دلچسپی کے ساتھ جد و جہد کریں اور آگے بڑھیں، کامیابی حاصل ہونا ہی ہے، اللہ تعالیٰ سے امید اچھی رکھیں۔

(2) **مثبت سوچ:** پیارے بچو! انسان فطرتاً برا نہیں ہوتا۔ خیالات اسے اچھا یا برا بناتے ہیں، یہ خیالات اس کے ماحول کے آئینہ دار ہوتے ہیں، ماحول کے مطابق خیالات پروان چڑھتے ہیں۔ انسان جیسا سوچتا ہے ویسا بن جاتا ہے، کسی مفکر کا قول ہے کہ ''ہم جو کچھ ہیں اپنے خیالات کا نتیجہ ہیں''۔ انسان کے خیال سے عمل، عمل سے عادت اور عادت سے کردار پیدا ہوتا ہے اور انسان کی شخصیت بنانے اور بگاڑنے میں خیالات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ اپنے خیالات کی طرح بن جاتا ہے۔ برے خیالات انسان کو برا بناتے ہیں

اوراچھے خیالات اچھا۔ اس لیے ہمیں مثبت سوچ رکھنی چاہیے، بہتر اور نیک خیالات رکھنے چاہئیں۔

(3) **ایمانداری:** ہمیں ان خوبیوں کے ساتھ ایمانداری جیسی خوبی کا قبول کرنا بھی ضروری ہے، ہمیشہ سچ بولیں۔ جھوٹ اور بے ایمانی سے پرہیز کریں، ہمارے نبیؐ ہمیشہ سچ بولتے تھے اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے۔ وہ بہت ایماندار اور انصاف پسند تھے۔ اس لیے مکہ اور مدینہ کے لوگ آپ کے پاس امانتیں رکھتے تھے، وہ آپؐ کو ایماندار اور سچا سمجھتے تھے، جبکہ یہ واقعہ نبوت سے قبل کا ہے، ہم سچ بولیں، حق وانصاف پسندی سے کام لیں، ایمانداری کے ساتھ زندگی گزاریں، سچائی کا ہمیشہ ساتھ دیں۔

(4) **خوش رهیں:** ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور خوش رہیں، خوش مزاجی اور مسکراہٹ کے ساتھ زندگی گزاریں، مسکراہٹ دل و دماغ کو متاثر کرتی ہے، مسرت یعنی خوشی کا ذہانت سے گہرا رشتہ ہوتا ہے، خوشی انسان کے مسائل حل کرنے میں مددگار اور معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس سے انسان کی جسمانی اور تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے، اُسے سکون نصیب ہوتا ہے، ایسا شخص کام میں دلچسپی، جوش اور توجہ سے کام کرتا ہے تو بہتر نتائج نکلتے ہیں۔ اچھے کام ہی پسند کیے جاتے ہیں، یہی کام آپ کی عزت اور احترام کا باعث ہوگا۔ اس لیے خوش رہیں اور شگفتہ مزاجی کے ساتھ گفتگو کریں، زبان میں شیرینی رکھیں۔ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دینے کی عادت ڈالیے، غصّہ پر قابو رکھیے۔

(5) **وقت کی پابندی:** زندگی میں وقت کا پابند ہونا بہت ضروری ہے، روزانہ کے کام معمول کے مطابق کریں اور اپنے فرض کی ادائیگی میں بھی وقت کا خاص خیال رکھیں۔ وقت بہت قیمتی ہے، وقت کی قدر کیجیے وقت کی قدر کی تو وقت بھی آپ کی قدر کرے گا۔ گزر گیا وقت واپس نہیں لوٹتا۔

(6) **نظم و ضبط:** ڈسپلن یعنی نظم وضبط کا زندگی میں ہونا ضروری ہے۔ جس طرح فوج میں ڈسپلن، فرمانبرداری اور حکم کو تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح نظم وضبط برقرار رکھیں۔

(7) **فرض شناسی:** ہمارے ذمے جو کام سپرد کیا گیا ہے اسے ایمانداری کے ساتھ پورا کرنا فرض شناس ہونے کا ثبوت ہے۔ ایمانداری کے ساتھ فرض مکمل کرنے کو فرض شناسی کہا جائے گا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے فرض کو پوری ایمانداری کے ساتھ مکمل کریں، جو کام اپنے ذمے ہے اسے دلچسپی اور توجہ کے ساتھ انجام دیں، کام سے جی نہ چرائیں۔ کام کرنے سے انسان مرتا نہیں ہے، کام کو اپنی عادت میں شامل کرلیں جیسا کہ ایک مفکر نے کہا ہے۔ ”working is life and good work is good life“ کام ہی زندگی ہے اور اچھا کام اچھی زندگی ہے۔ انسان کا کام سے پیارا ہوتا ہے، سب کے ساتھ سلوک اچھا رکھیں چاہے دشمن بھی ہو۔

عزیز طلبا اور طالبات! آخر میں یہی کہوں گا کہ مندرجہ بالا نکات میری نظر میں کامیابی کے زینے ہیں، زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کا راز ان میں پوشیدہ ہے، آپ مثبت سوچ، عزم و حوصلہ، ایمانداری، خوش مزاجی کے ساتھ آگے بڑھیں۔ یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی اور آپ کی زندگی پُرلطف، کامیاب اور خوش گوار ہوگی۔ ■

Abdul Aziz Irfan
National Colony, Plot No: 34
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)

نسیم سعید

عالمی حرارت (Global Warming)

سطح زمین کا درجہ حرارت نہ صرف لگا تار بڑھ رہا ہے، بلکہ پچھلے تین سالوں سے اس میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ناسا کے ذریعے جمع کیے گئے اعداد وشمار نے اس کی تصدیق کی ہے۔

ناسا کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ 2016 لگا تار تیسرا سال ہے جب زمین کی سطح کا عالمی اوسط درجہ حرارت (Global average sarface temperature) کے اضافے میں نیا ریکارڈ قائم ہوا ہے۔ یعنی 1850 سے رکھے جارہے ریکارڈ کی یہ سب سے اونچی سطح بھی ہے۔ بیسویں صدی کے درمیان کے اوسط درجہ حرارت سے یہ 1.78°F زیادہ ہے۔ اتنا ہی نہیں اس کے بارہ میں سے آٹھ مہینے یعنی جنوری سے لے کر ستمبر تک (جون کو چھوڑ کر) دوسرے سالوں کی بہ نسبت ریکارڈ گرم ثابت ہوئے ہیں۔

سطح زمین کا عالمی اوسط درجہ حرارت کے اس ریکارڈ سے یہ بھی سامنے آیا ہے کہ انیسویں صدی سے سطح زمین کا اوسط درجہ حرارت تقریباً 2°F بڑھ چکا ہے۔ وہیں سطح زمین کی گرماہٹ سب سے زیادہ پچھلے 35 سالوں میں بڑھی ہے اور اتنے سالوں میں زمین پر درجہ حرارت زیادہ بڑھنے سے ہونے والی تبدیلیاں صاف دکھائی دینے لگی ہیں۔ اتنا ہی نہیں فی الحال دنیا کا اوسط درجہ حرارت 15°X ہے اور سال 2100 تک اِس میں 1.5°C سے 6°C تک اضافہ ہونے کا شبہ بھی ہے۔

سائنس دانوں کے مطابق 1870 سے 2004 کے درمیان سمندر کے پانی کی سطح میں 19.5cm کا اضافہ ہوا ہے۔

یہ گلوبل وارمنگ یعنی زمین کے درجہ حرارت بڑھنے کی طرف اشارے کرتے ہیں۔ اِس طرح کا تعلق صاف نظر آنا بے حد خطرناک علامت ہے۔ اگر سمندر کے پانی کی سطح کا اسی طرح بڑھنا جاری رہا تو اس صدی کے آخری تک 28cm سے 34cm تک پانی کی سطح بڑھ سکتی ہے۔ بڑھتے سمندری پانی کی سطح سے دنیا بھر کے مختلف جزیروں کا وجود خطرہ میں پڑ گیا ہے ہی۔ پانی کی سطح بڑھنے سے زمین کے ڈوب جانے کا خطرہ تو ہے۔ ساتھ ہی اِس سے بڑھتے طوفان اور ساحلی علاقوں میں نمک بڑھنے کا مسئلہ بھی پیدا ہوگیا ہے۔ نمک کی صورت حال ساحلی علاقوں، کھیتی اور ساحلی نظام کو بھی بگاڑ رہی ہے۔ ایسے میں ساحلی یا نچلے علاقوں خاص کر گرم آب و ہوا والے علاقوں سے بڑی تعداد میں لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ دنیا بھر کے سائنس داں بڑھتے درجہ حرارت کے نتیجے میں آرکٹک اور انٹارکٹیکا کی قطبی سمندری برف اور پہاڑی برف یعنی گلیشیئر (Glaciers) کے پگھلنے پر بھی فکر جتا رہے ہیں۔ اس لیے کہ پچھلے سو سالوں میں انٹارکٹکا کے درجہ حرارت میں دو گناہ اضافہ ہوا ہے۔ اس کے برفیلے علاقوں میں بھی کمی آئی ہے۔ امریکہ کے نیشنل سینٹر فار اٹماس فیر ریسرچ (National centre for Atmospheric Research) کے ایک مطالعہ کے مطابق گلوبل وارمنگ اگر اسی

طرح جاری ہوتو 2040 تک جنوبی قطبی سمندر میں برف کے نظارے کمیاب ہو سکتے ہیں۔ تب یہ ایک کھلا سمندر ہوگا۔ اتنا ہی نہیں، زمین کے مختلف حصوں سے برف کی یہ چادر جتنی سمٹے گی۔ ہمارے سیارے کا درجہ حرارت اتنا ہی بڑھے گا کیونکہ یہ سورج کی شعاعوں کو منعکس کرتی ہے اور درجہ حرارت کم بنا رہتا ہے۔ ایک اندازہ یہ بھی ہے کہ اگر انٹارکٹکا کی ساری برف پگھل گئی تو سمندر کی سطح 230 فٹ تک بڑھ جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو پوری زمین پانی میں ڈوب سکتی ہے۔

سائنس دانوں کا صاف طور سے کہنا ہے کہ زمین کی آب و ہوا اور موسموں میں بھی تیزی سے تبدیلیوں کے واقع ہونے کی وجوہ یہی سب ہیں۔ سوئزرلینڈ کے شعبہ موسمیات کے سائنس دانوں کے مطابق پچھلی صدی میں گلوبل وارمنگ کے چلتے سب سے زیادہ گرمی کا سامنا ہزار دنوں میں ایک بار ہی کرنا پڑتا ہے۔ اب اس تناسب میں چار سے پانچ گنا کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ شمالی جنوبی امریکہ، یورپ اور شمالی مرکزی ایشیا میں زیادہ بارش ہو رہی ہے۔ وہیں وسطی افریقہ کے کئی علاقے، جنوبی افریقہ اور جنوبی ایشیا کا علاقہ سوکھا رہتا ہے۔ وہاں بھاری برف باری، سوکھا، باڑھ، گرمی کے موسم میں ٹھنڈ جیسے عجیب و غریب حالات ہوتے ہیں۔ موسمیات کے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ سال مارچ 2016 میں دلی اور دوسرے میدانی علاقوں میں پندرہ سال بعد اتنی تیز بارش اسی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جموں وکشمیر، ہماچل پردیش، اتر کھنڈ جیسے پہاڑی صوبوں میں بھی غیر معمولی برف باری کی وجہ بھی ہے۔

عالمی حرارت میں اضافے سے ذیل کے اثرات بھی مرتب ہو رہے ہیں:

(1) صحت پر

آب و ہوا میں تبدیلی کا سب سے زیادہ اثر انسانوں پر پڑ رہا ہے۔ گرمی بڑھنے سے ملیریا، ڈینگو اور پیلا بخار جیسے امراض میں اضافہ ہونے لگا ہے۔ سائنس دانوں کا یہ خیال ہے کہ اگر موسم ایسے ہی بگڑتے رہے تو وہ وقت بھی آ سکتا ہے جب ہم میں سے زیادہ تر لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی، کھانے کے لیے تازہ غذا اور سانس لینے کے لیے خالص ہوا بھی نصیب نہیں ہوگی۔

(2) چرند پرند:

گلوبل وارمنگ کا چرند، پرند، نباتات وحیوانات پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ مانا جا رہا ہے کہ گرمی بڑھنے کے ساتھ ساتھ چرند پرند اور نباتات رفتہ رفتہ شمالی پہاڑی علاقوں کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ وہیں کئی انواع و اقسام کا وجود ختم ہونے کے موڑ پر ہے۔

(3) شہروں پر:

اس میں کوئی شک نہیں کہ سردی دور کرنے کے لیے استعمال میں لائی جانے والی توانائی کے استعمال میں کمی آئے گی۔ کیونکہ گرمی میں اضافے سے ایسا ممکن ہوگا لیکن اس کی فراہمی ایئر کنڈیشنر کرنے لگیں گے۔ گھروں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بھاری مقدار میں بجلی کا استعمال کرنا ہوگا۔ بجلی کا استعمال بڑھے گا تو بھی گلوبل وارمنگ میں اضافہ ہی ہوگا۔

■

Naseem Sayeed
M.M. Rabbani High School
Kamptee - (Maharashtra)

محمد طاہر صدیقی

مضمون

ہندوستان کی پہلی بولتی فلم

’عالم آرا‘

ہندوستان کی پہلی بولتی فلم عالم آرا14مارچ 1931 میں بنی۔ یہ فلم بھارت کی پہلی بولتی فلم ہے۔ 14مارچ 1931 ہندوستانی سنیما میں بڑی تبدیلی کا دن تھا۔ اسی دن پہلی بار ہندوستان کے سنیما نے بولنا سیکھا تھا۔ حالانکہ وہ دور ایسا تھا جب خاموش سنیما مقبولیت کی بلندی پر تھا۔ پہلی بولتی فلم جس سال پردے پر شائع ہوئی اسی سال کئی خاموش فلمیں بھی الگ الگ زبانوں میں بنائی گئیں مگر بولتی فلموں کا نیا دور شروع ہوگیا تھا۔ آج اگر سوچا جائے کہ بنا کچھ آواز کے فلم کیسی ہوتی ہوگی کیسے دیکھنے والے اسے سمجھ پاتے ہوں گے تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔ اس فلم کو تیار ہونے میں 39 کروڑ روپے لگے تھے۔ 1931 کے پہلے تک سبھی فلمیں بغیر آواز کی ہی ہوتی تھیں۔ ڈائرکٹر آردیشر ایرانی جی کو فلموں میں آواز کی اہمیت محسوس ہونے لگی اور انھوں نے فلموں کو آواز دینے کا من بنالیا۔

آردیشر ایرانی وہ پہلے انسان تھے جنھوں نے اس تصور کو پورا کیا اور عالم آرا جیسی بولتی فلم ہمیں دیکھنے کو ملی۔ اس فلم کو ناظر نہ صرف دیکھ سکتے ہیں بلکہ سن بھی سکتے ہیں۔ عالم آرا فلم ممبئی کے میجسٹک سنیما میں 14مارچ 1931 کو ریلیز ہوئی۔ یہ فلم پوری طرح سے بولتی، ناچ گانے کے مناظر سے بھرپور فلم ہے۔ اس میں ماسٹر وٹھل، جوویدا اور پرتھوی راج کپور اہم کردار میں نظر آئے تھے۔

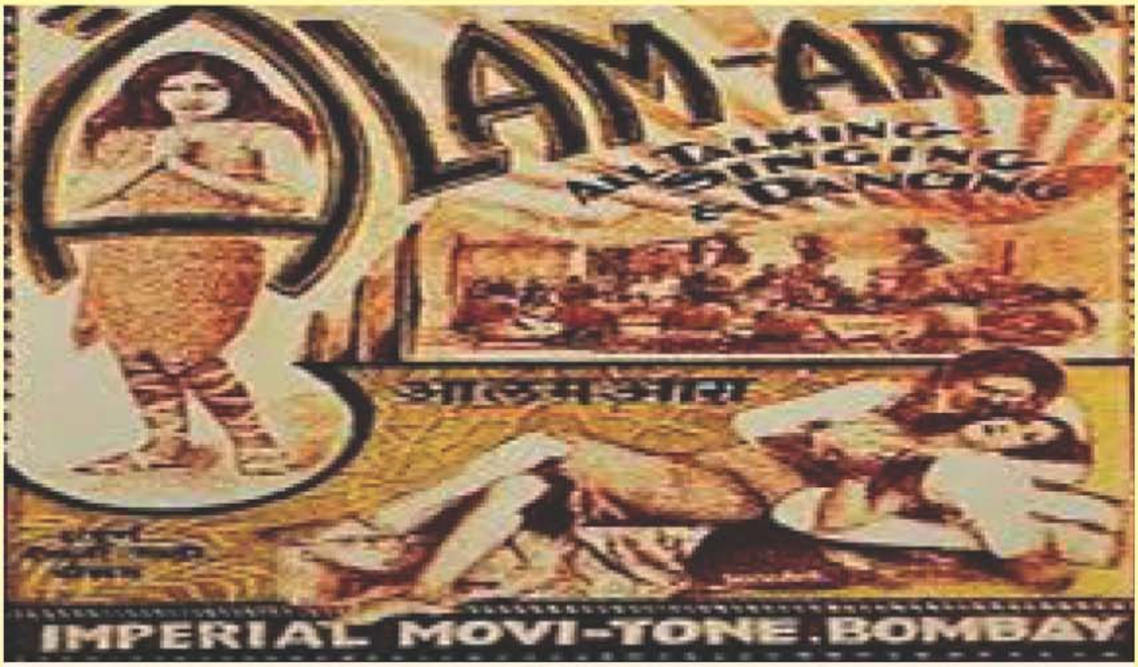

فلم عالم آرا ایک راج کمار اور بنجارن لڑکی کی پریم کہانی ہے۔ یہ جوشیف ڈیوڈ کے ذریعے لکھی ایک پارسی ناٹک پر منحصر ہے۔ فلم میں ایک راجا اور اس کی دو جھگڑالو بیویاں دل بہار اور نو بہار ہیں۔ دونوں کے بیچ جھگڑا تب اور بڑھ جاتا ہے جب ایک فقیر پیشن گوئی کرتا ہے کہ راجا کے جانشین کو نو بہار جنم دے گی۔ غصے سے غضبناک دل بہار بدلہ لینے کے لیے ریاست کے وزیر عادل سے پیار کی دھمکی دیتی ہے لیکن عادل اس کے اس پیار کو ٹھکرا دیتا ہے۔ غصے میں آ کر دل بہار عادل کو جیل خانے میں ڈلوا دیتی ہے۔ عالم آرا کو بنجارے پالتے ہیں، جوان ہونے پر عالم آرا محل میں واپس لوٹتی ہے اور راج کمار سے پیار کا اظہار کرنے لگتی ہے اور آخر میں دل بہار کو اس کے کیے کی سزا ملتی ہے۔ راج کمار اور عالم آرا کی شادی ہوتی ہے اور عادل کی رہائی۔

عالم آرا فلم کے سبھی گانے بہت مشہور ہوئے۔ اس فلم کا گانا 'دے دے خدا کے نام پر' بھارتیہ سنیما کا پہلا گانا تھا جسے 'وزیر محمد خان' نے گایا تھا۔ انھوں نے فلم میں فقیر کا کردار بھی ادا کیا ہے۔ اس فلم کے ذریعے فلمی میوزک اور فلمی نغموں کی ابتدا ہوئی۔ یہ فلم صرف بولتی ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی فلم بھی تھی جس میں گانے بھی تھے۔ عالم آرا کا سنگیت اس وقت ڈسک فارم میں ریکارڈ نہیں کیا جا سکا۔ اس پہلی بولتی فلم کی زبان کو نہ تو خالص ہندی کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی خالص اردو۔ یہ ملی جلی ہندوستانی زبان تھی جسے پارسی کے مقبول مصنف نارائن پرساد بیتاب نے 'دودھ میں گھلی مصری کی ڈلی' بتایا تھا۔

جب پہلی بار سنیما نے بولنا سیکھ لیا تو سنیما میں کام کرنے کے لیے پڑھے لکھے اداکار اور اداکارہ کی ضرورت ہوئی کیونکہ اب مکالمے بھی بولنے تھے۔ صرف ڈرامے اور فنون سے کام نہیں چلنے والا تھا۔ خاموش فلموں کے دور میں تو پہلوان جیسے جسم والے، اسٹنٹ کرنے والے اور اچھل کود کرنے والے

اداکاروں سے کام چل جایا کرتا تھا لیکن اب انھیں مکالمہ بولنا تھا اور گانے کی روایت کی قدر بھی ہونے لگی تھی۔ اس لیے عالم آرا کے بعد ابتدائی دور کی فلموں میں کئی نغمہ نگار اور اداکار بڑے پردے پر نظر آنے لگے۔ ہندی اردو زبانوں کی ضرورت بڑھی۔ فلموں میں بول چال کی زبان کا سلسلہ شروع ہوا اور سینما زیادہ دیسی ہوا۔ ایک طرح کی نئی آزادی تھی جس سے آگے چل کر ہمارے روزمرہ اور عوامی زندگی کا عکس فلموں میں بہتر طریقے سے ابھرنے لگا۔ عالم آرا فلم صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ سری لنکا، برما اور مغربی ایشیا میں بھی کافی پسند کی گئی۔

عالم آرا فلم کی خاصیت یہ ہے کہ اس نے ہندوستان کے سینما کی دنیا کو ایک نئے مقام پر پہنچانے کا کام کیا ہے۔ یہ فلم اپنی کہانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی آواز کی وجہ سے اس وقت کی سب سے کامیاب فلم رہی کیونکہ اس فلم سے پہلے ہندوستانی فلم کی دنیا میں خاموش فلموں کا دور تھا۔ حالانکہ اس فلم سے پہلے بھی بولتی فلم بنانے کی کوشش ہوئی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔ ڈائرکٹر آردیشر ایرانی نے ہالی وڈ کی ترجیح پر بولتی فلم عالم آرا بنا کر پہلی بولتی فلم بنانے کا خطاب اپنے نام کیا۔

ہندوستان کی یہ پہلی بولتی فلم اتنی مشہور ہوئی کہ بھیڑ کو روکنے کے لیے پولیس کا سہارا لینا پڑا اور انہی خصوصیات کی وجہ سے یہ فلم تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے امر ہوگئی۔

■

Mohd Tahir Siddiqui
N-139-B, Abul Fazal Enclave
New Delhi - 110025

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.................................. بتاریخ..................................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: SYNB0009009، A/C: 90092010045326 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

حمید سہروردی

بات بس اتنی سی

محلے میں چاروں طرف آوازیں ہی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کسی نے کہا میں نے اسے اکثر اپنے آفس کی ایک لڑکی کے ساتھ گھومتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہوسکتا ہے دونوں میں کسی بات پر اَن بن ہوئی ہوگی۔ اِس لیے اس نے خودکشی کرلی۔ کسی نے کہا، رشوت لی ہوگی اور راز فاش ہونے کے خوف سے، دوسرے گاؤں جاکر خودکشی کرلی۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں رہیں۔

سفید ریش والے بزرگ نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب قسمت کا کھیل ہے اور بس'' اِن بزرگ کے قریب کھڑے ہوئے ایک نوجوان نے بڑے جوشیلے انداز میں کہا کہ ''یہ قسمت کیا ہوتی ہے، یہ ساری باتیں بے کار کی ہیں۔''

سلیم کے بارے میں مختلف باتیں ہوتی رہیں اور سلیم کے مکان میں اس کی بیوی اور اس کے رشتے دار زار و قطار رو رہے تھے۔ محلے کی عورتیں انھیں سمجھا رہی تھیں۔ ''جو ہونا تھا، وہ تو اب ہو چکا، بس اب صبر سے کام لینا ہی بہتر ہے۔ سلیم کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ان کی پرورش کرنا ضروری ہے۔''

سلیم غریب گھرانے کا لڑکا تھا، اور اپنے والدین کا اکلوتا لڑکا۔ سلیم کے پیدا ہونے کے ایک سال بعد اس کا باپ ظفر پلیگ کی خطرناک بیماری میں چل بسا تھا۔ اب تو ساری ذمے داری، اس کی ماں کے سر آن پڑی تھی۔ سلیم کی ماں

پلیگ کی بیماری کے زمانے میں اپنے پورے گاؤں والوں کے ساتھ قریب کے گاؤں چلی گئی تھی۔

سلیم کی ماں، محنت مزدوری کر کے اپنا اور سلیم کا پیٹ پالتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اس کی پڑھائی پر بھی پوری توجہ دیتی تھی۔ سلیم کی تعلیمی حالت اچھی تھی۔ وہ ہر جماعت میں امتیازی نشانات سے کامیاب ہوتا رہا تھا۔ وہ گاؤں سے شہر میں آیا اور یہاں آکر اس نے کالج میں داخلہ لے لیا اور اس نے اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ اسکول کے بچوں کو ٹیوشن بھی دینا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ اپنے کالج کی پڑھائی کے لیے ماں پر بوجھ نہیں رہا۔ وہ خود ٹیوشن سے ملنے والی رقم سے ماں باپ کے لیے کپڑے اور دیگر ضروری کاموں کے لیے الگ سے روپے جمع رکھتا۔ اس طرح اس کی تعلیم بھی جاری رہی اور آمدنی بھی۔ اچانک سلیم کی ماں، دماغی بخار میں مبتلا ہوگئی اور وہ وقت پر علاج نہ ہونے کی وجہ سے انتقال کرگئی۔ سلیم پہلے یتیم ہوگیا تھا اور خود کو بے سہارا سمجھنے لگا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔ زندگی میں تو ایسے حادثے اور سانحے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔

سلیم اپنی ملنساری اور خوش مزاجی کی وجہ سے محلے میں مشہور تھا۔ وہ بڑوں کا ادب کرتا اور چھوٹو ں سے ہمیشہ محبت سے پیش آتا تھا۔ جب یہ اطلاع ملی کہ سلی کے ساتھ ایسا حادثہ ہوا ہے تو ہر چھوٹا بڑا گھر کے باہر نکل آیا۔ کرانے کی دوکان پر، چبوترے پر بیٹھے ہوئے اِدھر اُدھر راستے پر کھڑے ہوئے لوگ اپنے اپنے اندازے قائم کرتے رہے۔

بات بس اتنی سی تھی۔ سلیم چار دن پہلے کسی سرکاری کام سے شہر چلا گیا تھا۔ شہر سے واپس ہوتے ہوئے وہاں کے آفس سے کچھ ضروری کاغذات اپنے ساتھ لے کر آیا تھا جو اس کے نزدیک بھی ضروری اور اہم تھے۔ اسے بچپن سے یہ سبق سکھایا گیا تھا۔ ہر کام پوری ذمے داری سے کرنا چاہیے۔ کسی کام میں بے ایمانی نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی ماں اَن پڑھ ضرور تھی مگر وہ ہمیشہ اپنے بیٹے کو کام کی ذمے داری پر توجہ دینے پر زور دیتی تھی اور سلیم بھی اپنے تمام کام پوری ذمہ داری سے کرتا تھا۔ ہاں تو ہوا یوں کہ وہ کسی دھن میں کاغذات بس میں ہی بھول کر چلا آیا۔ گھر پہنچتے ہی اسے اپنے ساتھ لائے ہوئے کاغذات یاد آئے۔ وہ الٹے قدم بس اسٹینڈ پر پہنچا مگر بس، وہاں سے جاچکی تھی۔ اس نے بس اسٹینڈ پر تمام ضروری معلومات حاصل کر کے طے کرلیا کہ اسے بس تک پہنچنا ہی ہوگا۔ سلیم چند گھنٹوں کے بعد ایک دوسری بس میں سوار ہوکر، اس شہر کو چلا گیا جہاں بس چلی گئی تھی۔ وہاں جاکر انکوائری میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے کاغذات، کنڈکٹر نے لاکر جمع کر دیے ہیں۔ یہ جان کر سلیم کو ایسا لگا کہ ساری دنیا کی خوشیاں بس اسی کے پاس ہیں۔ اس نے اپنے کاغذات حاصل کرلیے۔ معلوم ہوا کہ بس صبح سے پہلے نہیں جائے گی۔ اب اسے ساری رات بس اسٹینڈ پر گزارنی تھی۔ جوں توں کر کے رات گزاری—

صبح ہی صبح اس نے منہ ہاتھ دھونے کے لیے اِدھر اُدھر نل تلاش کیا مگر اسے نل کہیں نظر نہ آیا۔ بس اسٹینڈ کے قریب ہی لوگوں کو باولی کی طرف سے آتا ہوا دیکھا۔ اس نے بھی باولی کے قریب کھڑے ہوکر سوچا، کیا کیا جائے۔ میں تو تیرنا نہیں جانتا، کیا سبھی لوگ تیرنا جانتے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے نیچے باولی کی طرف، پتلون کو کسی قدر اوپر چڑھایا اور باولی کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں سنبھل سنبھل کر اترنے لگا۔

سیڑھیوں پر کہیں کہیں کائی جمی ہوئی تھی۔

دو دن گزر گئے۔ مگر سلیم کا کہیں پتہ ہی نہیں چلا۔ تیسرے دن اس کے آفس کو ایک تار ملا جس میں یہ دکھ بھری خبر تھی۔ چوتھے دن سلیم واپس آیا۔ خاندان کے تمام لوگوں کو یقین ہی نہیں آیا کہ واقعی یہ سلیم ہی سامنے کھڑا ہوا ہے اور زندہ ہے۔ سبھی لوگ اس کی صورت کا غم منا رہے تھے۔

سلیم نے بتایا کہ میرے ضروری آفس کے کاغذات جو بس میں رہ گئے تھے وہ مل گئے ہیں۔ مگر یہ عجیب سی بات ہوئی کہ میں جب رات بس اسٹینڈ کی میز پر لیٹا ہوا تھا کسی نے میری جیب کاٹ لی تھی۔ اب میرے پاس واپس آنے کے لیے ٹکٹ کے پیسے نہیں تھے اور وہاں میرا کوئی جان پہچان کا نہیں تھا۔ ہاں جس آدمی نے میری جیب کاٹ لی تھی وہ باولی میں گر کر مر گیا۔ میری پاکٹ اس کے پاس سے نکلی تھی جس میں میرا پتہ موجود تھا۔ شاید پولس نے یہی سمجھا ہو کہ یہ مرنے والے کا ہی پتہ ہے۔ پولس نے میرے آفس تار بھجوایا۔ میں ابھی یہاں بس اسٹینڈ پر اترا ہی تھا کہ رحیم نے میری موت کی خبر مجھے سنائی—بات بس اتنی سی تھی۔

■

Hameed Suharwardy
"Saiban" Zubair Colony
Hagarga Cross, Ring Road
Gulbarga - 585104 (Karnataka)

جوابات

محمد کلیم ضیا

کہانی

لالچی بیرا

ایک گاؤں میں عظیم نامی ایک لڑکا رہتا تھا۔ وہ بے کاری سے تنگ آکر روزی کی تلاش میں ممبئی کی طرف چل نکلا۔ چار دن بعد وہ ممبئی پہنچا۔ کچھ دنوں کے گذراوقات کا سہارا اس کے پاس تھا۔

عظیم ممبئی کی عالی شان عمارتیں دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتا۔ کبھی سمندر کے کنارے جاتا، دل کش مناظر سے لطف اندوز ہوتا اور سوچتا کہ کاش میری بھی ایک اچھی سی بلڈنگ ہوتی۔ کاش کہ میں بھی ایک کار کا مالک ہوتا اور میرے پاس بھی پیسہ ہوتا۔

اس طرح دن گزرتے گئے اور آخر اس کی پونجی ختم ہوگئی۔ اسے اپنی روزی کی فکر لاحق ہوئی۔ اب وہ اچھے ہوٹلوں میں نوکری کی درخواست کرنے لگا۔ کئی جگہ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری۔ خوش قسمتی سے ایک ہوٹل کے مالک نے اس کو غریب اور ایمان دار سمجھ کر بیرے کی حیثیت سے اپنے ہوٹل میں نوکری دے دی۔ روزانہ تین وقت کا کھانا اور سو روپے ماہوار تنخواہ پر اس نے بیرے کی ملازمت کرلی۔

عظیم بہت خوش تھا۔ وہ تو سو روپے کو بہت بڑی رقم سمجھ رہا تھا۔ وہ دل و جان سے گاہکوں کی خدمت کرتا۔ کھانوں کے نام بھی اس ڈھنگ سے لیتا کہ گاہک کتنا ہی تھکا ہوا ہو، اس کی تھکاوٹ دور ہوجاتی۔ اس کی خدمت اور انکساری دیکھ کر لوگ اس کو کھانا کھانے کے بعد پچیس، پچاس پیسے بخشش کے طور پر دیتے تھے۔ اس طرح وہ آٹھ دس روپے روز کمانے لگا تھا۔

ہوٹل کا مالک بھی عظیم کی بڑھتی ہوئی مقبولیت دیکھ کر بہت خوش ہوا اور چند ہی دنوں میں اس کی تنخواہ میں بیس روپے کا اضافہ کردیا۔

اب عظیم کے پاس کافی رقم جمع ہوگئی۔ اس نے سال بھر میں اپنے لیے کمرہ کرائے پر لے لیا۔ وہ جب ممبئی آیا تھا تو

بالکل معمولی آدمی تھا۔مگر اب وہ قیمتی کپڑوں میں نظر آنے لگا۔

کچھ ہی دنوں کے بعد اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا۔اس نے بے ایمانی شروع کردی۔کم بل بنا کر گاہکوں کو خوش کرکے مزید انعامات اینٹھنے لگا مگر مالک نے اندازہ لگایا کہ ادھر عظیم کی آمدنی میں اضافہ ہورہا ہے اور اِدھر ہوٹل کے گلّے میں کمی ہوتی جارہی ہے۔پہلے ہوٹل میں نفع خوب تھا اور اب نفع تو درکنار اصلی مال میں بھی نقصان اٹھانا پڑرہا ہے۔ مالک کو خیال آیا کہ اس میں ضرور عظیم کا ہاتھ ہے۔لہٰذا اس نے عظیم کو رنگے ہاتھ پکڑنے کی ایک ترکیب نکالی۔اس نے اپنے ایک خاص آدمی کو اس کی نگرانی پر مامور کردیا۔

دوسرے ہی دن عظیم کی شامت آگئی۔ایک عرب کھانا کھانے کے لیے ہوٹل میں آیا۔تقریباً بیس روپے کا بل تھا مگر عظیم نے اسے صرف بارہ روپے کا بل بنادیا۔عرب بہت خوش ہوا اور عظیم کو پانچ روپے ٹپ دے دی۔ادھر جاسوس نے مالک کو بتادیا۔جیسے ہی عرب کاؤنٹر کے قریب آیا۔مالک نے اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنے قریب بلایا اور پوچھا ''شیخ ! کیا کیا کھایا ہے؟'' عرب نے جو کچھ کھایا تھا، بتادیا اور وہاں سے چلا گیا۔مالک نے عظیم کو بلایا اور کہا ''عرب کو کھانے میں کیا دیا؟'' عظیم سوچ میں پڑگیا۔وہ فوراً کوئی جواب نہ دے سکا۔اس نے گھبراہٹ میں الٹا سیدھا حساب بتادیا۔ہوٹل کے مالک نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑلیا،اس کے ہاتھ سے تولیہ،پنسل اور کاغذ چھین لیا۔ساتھ ہی دو طمانچے رسید کیے اور ہوٹل سے باہر نکال دیا۔وہ اپنا منہ لٹکا کر پچھتاوے کے عالم میں گھر کی طرف چل دیا۔وہ سوچ رہا تھا کہ کاش میں پیسوں کا لالچ نہ کرتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

■

Dr. Mohd Kaleem Zia
A/103, Rawal Enclave, Rawal Nagar
Opp: Rawal School & College
NR: Mira Road Station,
Mira Road (East) - 401107 (Maharashtra)

محمد کلیم اللہ آزاد ندوی

قومی پرندہ مور کی کہانی

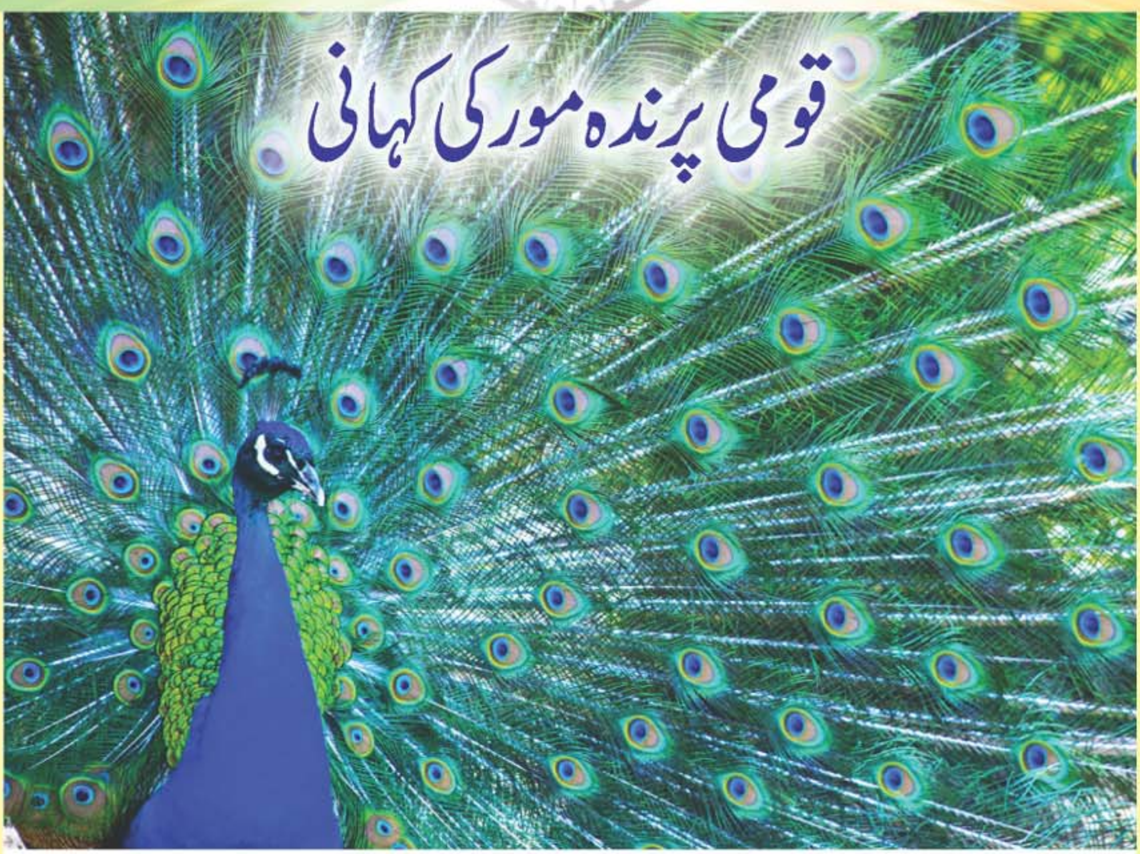

استاد جماعت میں داخل ہوتے ہیں، تمام بچے ادب سے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

استاد: (بچوں کے بیٹھنے کے بعد) بچو بتاؤ! کچھ پرندوں کے نام؟

بچے : گائے، بیل، گھوڑا، ہاتھی، اونٹ وغیرہ۔

استاد: آپ لوگ کچھ پرندوں کے نام بتائیے؟

بچے :طوطا، کوّا، مینا، گوریا، چیل، باز، کبوتر، فاختہ اور مرغا وغیرہ۔

استاد: کچھ ایسے پرندوں کے نام بتائیے جو دیکھنے میں بہت خوبصورت لگتے ہیں۔

بچے : طوطا، مور

استاد: بہت اچھا، بہت خوب۔ آج ہم لوگ قومی پرندہ۔ مور کی کہانی پڑھیں گے۔ استاد تختۂ سیاہ پر عنوان قومی پرندہ، مور کی کہانی لکھ دیتے ہیں اور ایک چارٹ پیپر پر مور کی ایک خوبصورت تصویر دکھاتے ہیں، جماعت کے تمام بچے اس چارٹ پیپر پر بنے فوٹو کو دیکھنے میں مگن ہوجاتے ہیں۔ استاد بچوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ تصویر میں بنے پرندے کا نام بتا سکتے ہیں؟

بچے : ہاں جناب! یہ تو قومی پرندہ مور ہے۔

استاد: آج ہم اپنے قومی پرندے مور کے بارے میں پڑھیں گے؟

استاد: بچو! آپ کو معلوم ہے کہ مور کی بہت ساری نسلیں پائی

جاتی ہیں، لیکن ہمارے ملک ہندوستان میں صرف اورصرف نیلے رنگ کا مور ہی پایا جاتا ہے۔کیا آپ میں سے کسی نے اس کو دیکھا ہے۔

فاطمہ ام ایمن: ہاں، جناب۔ مور کو میں نے پٹنہ کے چڑیا خانہ میں دیکھا ہے۔یہ بہت ہی خوبصورت ہوتا ہے۔

استاد: آپ صحیح کہہ رہے ہیں یہ دیکھنے میں بہت ہی پرکشش اوردلکش ہوتا ہے۔اس کے پنکھ بہت ہی حسین وجمیل اور رنگ برنگے ہوتے ہیں۔اس کا جسم انڈے کی شکل کا بڑا چمکیلا اور بہورنگی ہوتا ہے۔ اس کا سر چھوٹا اور اس کی گردن دبلی وپتلی ہوتی ہے، اس کی ٹانگیں چھوٹی ہوتی ہیں، اس کی چونچ چھوٹی ہوتی ہے۔اس کی آنکھیں بھی چھوٹی ہوتی ہیں۔نر مور مادہ مور سے زیادہ اچھا اور خوبصورت، دلکش ودلنشیں ہوتا ہے۔اس کے پنکھ بہت سندر، خوبصورت، خوش رنگ وخوشنما ہوتے ہیں۔اس کو ہم ساج سجاوٹ اورڈیکوریشن میں استعمال کرتے ہیں۔

شعبہ حسین: جناب۔ میں نے سنا ہے کہ مور زیادہ بلندی اوراونچائی پرنہیں اڑسکتا۔

استاد: ہاں یہ ٹھیک ہے کہ وہ بہت زیادہ اونچائی پرنہیں اڑ سکتا۔

فائزہ ام ایمن: سر۔میں نے دیکھا ہے کہ مورسانپ کوکھوجاتا ہے۔

استاد: ہاں آپ بالکل سچ کہہ رہی ہیں۔مورصرف سانپ ہی کونہیں کھاتا ہے، بلکہ وہ پودوں، بیجوں، پھل پھول، کیڑے مکوڑوں کوبھی کھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سانپ اژدھے اور چھپکلی کوبھی دیکھتے ہی دیکھتے نگل جاتے ہیں۔

احمد ذوالقرنین: جناب۔ میں نے اپنے گاؤں میں ایک شادی کی تقریب میں مور اورمورنی کا ناچ دیکھا ہے۔

استاد: اثبات میں سر ہلاتے ہوئے یہ بات درست ہے۔ جشن شادی اور دیگر تقریبات اورخوشی ومسرت کے موقعوں پر دو آدمی مور اور مورنی کا بھیس اختیار کر کے ناچتے ہیں اورڈانس کرتے ہیں۔

شگفتہ امّ ایمن: سر۔مورکس موسم میں ناچتے ہیں۔

استاد: آپ نے بہت اہم سوال کیا اس کے لیے آپ شاباشی کی حق دار ہیں۔آپ لوگوں کومعلوم ہونا چاہیے کہ مور کے ناچنے کاایک خاص موسم ہے وہ ہے برسات کا موسم۔ بارش کے دنوں میں مور ناچتے ہیں۔ جب آسمان بادلوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے، بارش کے آثار نظر آتے ہیں تو مور اپنے پنکھ پھیلا کر خوشی وشادمانی سے جھوم جھوم کرناچتا ہے۔کیاتم میں سے کسی نے مورکوبغیر پنکھ کے دیکھا ہے؟

بچے: ہیں۔سر۔کبھی بھی نہیں۔اتنے میں گھنٹی بجتی ہے۔

بچے: شکریہ سر

استاد: بہت اچھے۔شکریہ بچو!

■

Mohd Kaleemullah Nadwi
Director, Azad Memorial
Public School, Bhelahi
Saharsa - 852216 (Bihar)

خالد سعید

آم ہیں کیا، ہیں رس کے غبارے

بچو! آم کا موسم آیا
جیسے روح کا مرہم آیا
سارے پھلوں کا آم ہے راجا
سب لوگوں کا آم ہے کھا جا
سوندھی سوندھی خوشبو ان کی
سب کو رجھانا ہے خو ان کی
آموں سے بازار بھرے ہیں
بھانت بھانت کے آم دھرے ہیں
کوئی دسہری، کوئی لنگڑا
الفانسو، کوئی ملغوبا
کوئی مصری، کوئی نیلم
آموں کو کیا جانے ہیں ہم
رنگ برنگے آم سجے ہیں
رنگوں کے پرچم سے کھلے ہیں
اک سارے کا سارا پیلا
کوئی ہرا، کوئی سرخیلا
کوئی دو رنگوں سے بنا ہے
آدھا لال آدھا پیلا ہے
چاہے زرد ہوں چاہے پیلے
یہ ہیں میٹھے اور رسیلے

آم ہیں کیا ہیں رس کے غبارے
رس سے بھر دیں منہ کو سارے
آم کوئی ریشوں سے بسا ہے
آم کوئی گٹھلی سے بھرا ہے
کوئی خالص رس کا پیالا
ہر کوئی ان کا متوالا
کوئی ترش، تو کوئی پھیکا
کوئی کھٹ مٹھ، کوئی میٹھا
کیسا میٹھا شیرہ ان کا
دل لینا ہے وطیرہ ان کا
چُنّی آؤ، منی آؤ
میٹھے میٹھے آم ہیں کھاؤ
لالو اور منو کو بلاؤ
خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ
بعض کو چاہے چوس کے پھینکو
بعض کو چاہے کاٹ کے لاؤ
آم ہی ایسا پھل ہے بچو
جس کو کھا اور پی سکتے ہو

■

Prof. Khalid Sayeed
Flat No: 402, 4th Floor
Hasnain Residency
Asif Nagar Road
Mehdi Patnem, Hyderabad - 500028 (Telangana)

ابرار اعظمی

برتھ ڈے

کل مرا 'برتھ ڈے' ہے، آجانا
'گفٹ' میں اپنے گیت ہی لانا

ہے تمھارے گلے میں شیرینی
بھول جائیں گے 'کیک' بھی کھانا

کل میں اسکول آ نہیں سکتی
شام کو آنا، بھول مت جانا

مجھ کو ممی پری بنائیں گی
دیکھنا، پر قریب مت آنا

دیکھو، ریحان سے بتانا مت
اور شگوفہ کے پاس کم جانا

''میم' اور 'سر' کے ہوم ورک سبھی
تم تو کرلو گے، مجھ کو بتلانا

یہ ہماری بھی دوستی کیا ہے
صبح کو آنا، شام کو جانا

■

Dr. Abrar Azmi
Khalis Pur
Azamgarh - 276138

متین اچل پوری

تربوز

تربوز خوب پھل ہے
منڈی میں آج کل ہے

یہ بھوک بھی مٹائے
پانی کا بھی بدل ہے

دیکھو بڑا ہے کتنا
خربوز سے ڈبل ہے

اندر سے سُرخ مٹکی
مٹکی میں سبز، جل ہے

لو مغز ہے مثالی
شربت بھی بے بدل ہے

اتنی مٹھاس کس میں
کس پھل میں اتنا بَل ہے

کیا کیا نظر کو بھائے
کیسا خوشی کا پل ہے

آجائے منہ میں پانی
دل میں اُتھل پُتھل ہے

■

Mateen Achalpuri
Opp. Masjid, Akbari Chowk
Biyabani, Achalpur
distt: Amravati - 444806 (Maharashtra)

نظم

رِم جھِم

پانی کو جب ہم سب ترسے
رِم جھِم رِم جھِم بادل برسے

چھائی ہیں گھنگھور گھٹائیں
کرتی ہیں سب شور گھٹائیں
برسیں گی پر زور گھٹائیں
اُترو بچو اب چھت پر سے
رِم جھم رِم جھم بادل برسے

سڑکوں پر پانی ہی پانی
تم نے میری بات نہ مانی
اب تو بارش ہے طوفانی
نکلو اب مت باہر گھر سے
رِم جھم رِم جھم بادل برسے

انکل پہنے ہیں برساتی
چھاتے میں ہیں ان کے ساتھی
جنگل میں سب خوش ہیں ہاتھی
پنچھی بھیگے بال و پر سے
رِم جھم رِم جھم بادل برسے

باغوں میں آئی ہریالی
پھول کھلے ہیں ڈالی ڈالی
دیکھو کتنا خوش ہے مالی
جامُن بھی گرتے ہیں شجر سے
رِم جھم رِم جھم بادل برسے

گھر کی چھت بھی ٹپک رہی ہے
بجلی بھی اب کڑک رہی ہے
سوکھی ندیا چھلک رہی ہے
ہوگیا اونچا پانی سر سے
رِم جھم رِم جھم بادل برسے

بوڑھے بھیگے بچے بھیگے
جھوٹے بھیگے سچے بھیگے
اچھے اچھے بھیگے
بھیگتے آئے سب دفتر سے
رِم جھم رِم جھم بادل برسے

دو دو فٹ پانی سڑکوں پر
رہزن ہے راہی نہ رہبر
پنچھی ہیں جھاڑوں میں چھپ کر
سب کے سب بارش کے ڈر سے
رِم جھم رِم جھم بادل برسے

دیکھو سب پر بارش آئی
بھیگ رہے ہیں سب ہی بھائی
ہندو مسلم سکھ عیسائی
دیکھے سب کو ایک نظر سے
رِم جھم رِم جھم بادل برسے

■

Waheed Wajid
H. No.: 2-5-48/4 (Old)
Sha Alam Saheb Compound
Raichur - 584101 (Karnataka)

فیض رتلامی

نظم

تعلیم کی اہمیت

تعلیم جہاں میں ہے محبت کا خزانہ — تعلیم سبھی کی ہے شرافت کا خزانہ
تعلیم کو کہتے ہیں عبادت کا خزانہ — تعلیم سے ملتا ہے تلاوت کا خزانہ
جو پڑھتا ہے لکھتا ہے وہ سب کا ہے چہیتا — تعلیم ہے دنیا میں محبت کا خزانہ
جو کرتا ہے حاصل اسے ملتی ہے ترقی — تعلیم ہوا کرتی ہے قسمت کا خزانہ
دیکھا ہے کہ رہتا ہے سدا پاس وفا کا — تعلیم ہے سب کے لیے الفت کا خزانہ
بزنس میں ترقی ملا کرتی ہے ہمیشہ — تعلیم سے بھرتا ہے تجارت کا خزانہ
جھٹلا نہیں سکتا ہے کبھی کوئی بھی اِس کو — تعلیم حقیقت ہے حقیقت کا خزانہ
بجلی ہے کہیں ریل کہیں ٹی وی وغیرہ — تعلیم ہی دنیا میں ہے حکمت کا خزانہ

اے فیض کرو عام یہاں پڑھنا پڑھانا
تعلیم ہی دیتی ہے نصیحت کا خزانہ

■

Faiz Ratlami 'Adeeb'
48, Samta Nagar (Anand Colony)
Ratlam - 457001 (Madhya Pardesh)

اردو زبان کا جادو

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ رسالے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد تحریریں شائع کی جائیں۔ اِس رسالے کی اشاعت کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زبان اردو کو فروغ دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس زبان کو سیکھیں۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اگر اس میں کھیل اور مزے کو شامل کرلیا جائے تو سیکھنے میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ اِس شمارے سے ہم اردو زبان کے لسانی کھیلوں پر مشتمل ایک سلسلہ شروع کررہے ہیں جو قومی اردو کونسل سے شائع کتاب 'اردو زبان کا جادو' سے لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

اِس ذہنی آزمائش کے جوابات اِسی شمارے میں آپ کو مل جائیں گے۔

(2) شریر حروف

مقصد : حروف کی پہچان

ہدایت : یہ لڑکی مدرسے سے لوٹ رہی ہے۔ اس کے بستے سے شریر حروف نکل کر اِدھر اُدھر چھپ گئے ہیں۔ انھیں تلاش کیجیے۔ بتائیے وہ کون کون سے حروف ہیں۔

کھلاڑی : 1 وقت : 5 منٹ نمبر : 20

(یعنی ہر حرف کے لیے 1)

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

■

مآخذ: اردو زبان کا جادو (پارٹ 1)، ادارہ، **سنہ اشاعت:** تیسری طباعت 2009
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

دوسری قسط

بے زبان ساتھی

وکیل نجیب

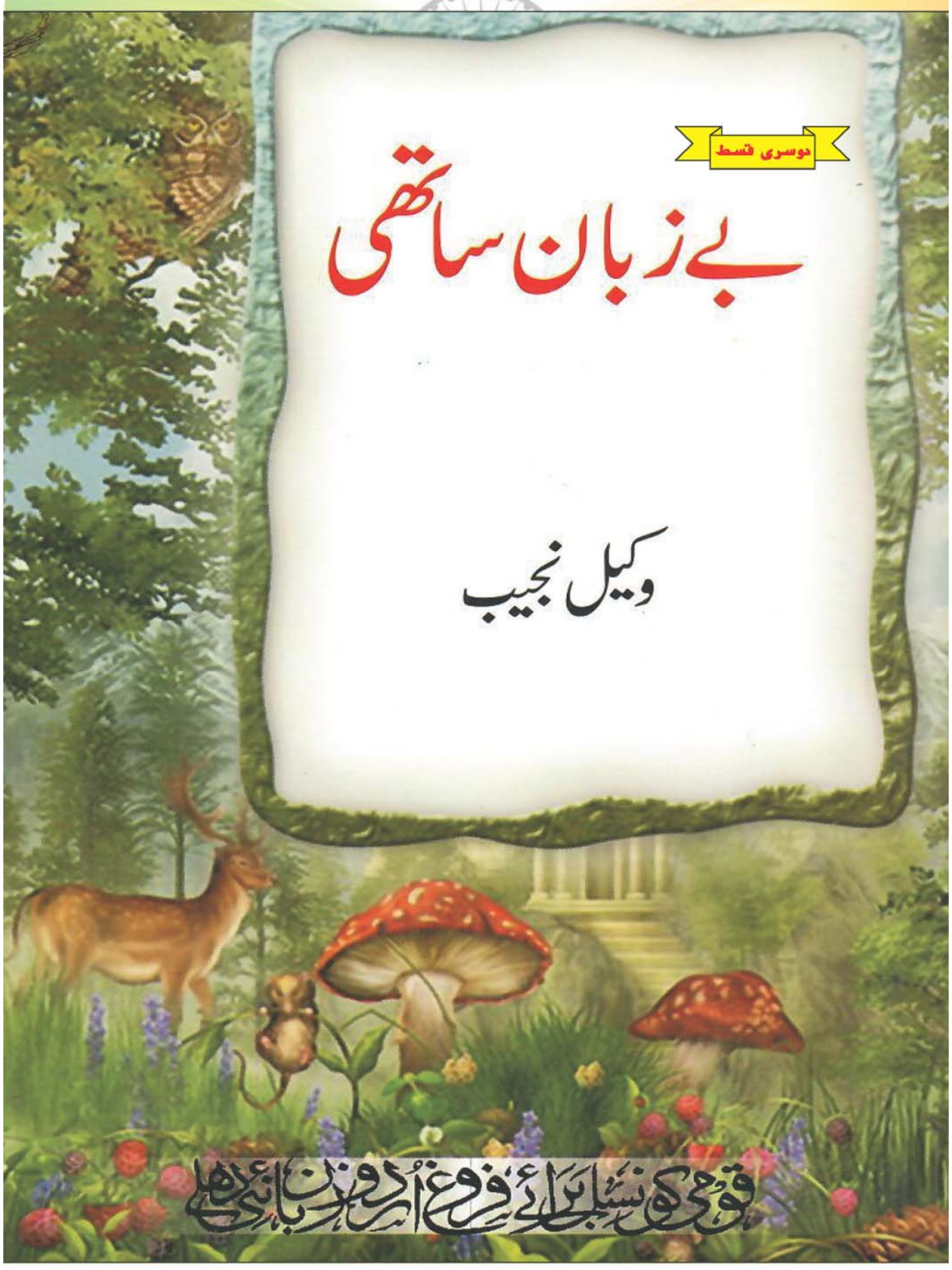

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

قسط وار

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' میں آپ کئی مشہور سلسلے پڑھ چکے ہیں۔ اب تازہ شمارے سے ہم ایک نیا سلسلہ 'بے زبان ساتھی' شروع کررہے ہیں۔ بچوں کے مشہور ادیب جناب وکیل نجیب نے یہ ناول تحریر کیا ہے۔ وکیل نجیب کو 2016 میں ساھتیہ اکادمی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ انھوں نے بچو ں کے لیے درجنوں کتابیں تحریر کی ہیں۔ اس ناول میں ایک عام سے لڑکے جنید کی کہانی بیان کی گئی ہے جو اپنے بے زبان ساتھیوں کی مدد سے بہت اونچے مقام تک پہنچتا ہے۔ اس ناول میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہمیں مصیبت کے وقت ہر کسی کے کام آنا چاہیے۔ ہمیں ہر اچھے کام کا صلہ ضرور ملتا ہے۔ اب آپ سب جنید کی اس داستان سے لطف اندوز ہوں۔ ہمیں آپ کے خطوط کا انتظار رہے گا۔ (ادارہ)

حکیم صاحب نے اُسی وقت کچھ گولیاں اور دوائی بنا کر دی اور کہا کہ انھیں آرام کی ضرورت ہے۔ نمک، تیز اور کھٹّی چیزوں سے بالکل بچنا چاہیے۔ تب ہی دوا کا اثر ہوگا اور مرض کا علاج ہوسکے گا۔

جنید کی جیب میں وہ پیسے تھے جو اسے اس آدمی نے دیے تھے جس کا اس نے بوجھ اس کے گھر تک پہنچا دیا تھا۔ وہ پیسے اس نے حکیم صاحب کو دے دیے اور دوائیاں لے کر بوڑھے کے جھونپڑے میں واپس آ گیا۔ بوڑھا درد سے کراہ رہا تھا۔ جنید نے اسی وقت ایک خوراک گولی بوڑھے کو کھلائی اور اس کی چار پائی کے پاس بیٹھ گیا۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ بوڑھے نے ایک طرف اشارہ کرکے بتایا کہ وہاں چراغ رکھا ہے اسے جلا لے۔ جنید نے اٹھ کر چراغ ڈھونڈا اسے جلایا جس سے کمرے میں کچھ روشنی ہوئی۔ بوڑھے نے احسان مند نگاہوں سے جنید کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ سوچنے لگا کہ اگر آج یہ لڑکا نہ ملا ہوتا تو نہ جانے اس کی کیا حالت ہوجاتی۔

گولی کھانے کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد بوڑھے کا درد ختم ہوگیا اور وہ اٹھ کر چار پائی پر بیٹھنے لگا۔ جنید نے اسے اٹھنے سے منع کردیا اور کہا بابا، حکیم صاحب نے کہا ہے کہ آپ کو مکمل آرام کی ضرورت ہے آپ بالکل مت اٹھو۔ میں آپ کا ہر کام کروں گا، کہیے کیا کام ہے۔"

"کچھ نہیں بیٹا۔ بوڑھے نے کہا۔ میں اب ٹھیک ہوں تم کو بھوک لگی ہوگی میں کچھ روٹیاں بناتا ہوں۔ چٹنی تیار کرتا ہوں۔"

"نہیں بابا آپ کچھ بھی نہیں کریں گے۔ مجھے بتاؤ آٹا کہاں ہے میں روٹی بناؤں گا اور تمھیں کھلاؤں گا۔" جنید کے منھ سے یہ باتیں سن کر بوڑھے کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور وہ پھر سے چار پائی پر لیٹ گیا اور کونے میں رکھی ہوئی ہانڈی کی طرف اشارہ کیا کہ آٹا اس میں رکھا ہے وہیں

چولھا بھی ہے۔ چوکی بیلنا بھی ہے۔ جاؤ اپنے لیے روٹی پکالو۔

جنید جب وہاں سے اٹھنے لگا تو اچانک بوڑھے کی نظر باز پر پڑی اور اس نے جنید سے پوچھا یہ کیا ہے؟

جنید نے کہا بابا یہ ایک باز ہے میں جنگل سے آرہا تھا تو یہ راستے میں گر پڑا۔ اس کا پیر زخمی ہوگیا ہے۔ یہ بے ہوش ہے۔

اچھا اسے اٹھا کر میرے پاس لاؤ۔ بوڑھے بابا نے کہا۔

جنید نے وہ باز اٹھا کر بوڑھے بابا کو دے دیا۔ انھوں نے اس کے زخم کو کھول کر دیکھا پھر جنید سے ایک چھوٹا سا ڈبہ منگوایا جو ایک طاق میں رکھا تھا۔ اس میں کچھ مرہم تھا۔ وہ مرہم اس باز کے زخم پر لگا کر پٹی باندھ دی پھر اس کے منہ پر کچھ پانی کے چھینٹے مارے اور تھوڑی دیر میں باز اپنے پر پھڑ پھڑانے لگا۔ آنکھیں جھپکا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ کافی کمزور ہوگیا تھا۔

بوڑھے نے باز کو چار پائی کے نیچے کھڑا کردیا۔ جنید نے جلدی جلدی چولہا جلایا اور آٹا گوندھا اور کچھ روٹیاں پکائیں۔ ٹماٹر اور پیاز کی چٹنی بنائی۔ بوڑھے بابا کا درد اب ختم ہو چکا تھا۔ اُس نے انھیں بٹھا کر روٹی اور چٹنی دی ایک روٹی بندر کو دی اور کچھ ٹکڑے اس نے باز کے سامنے بھی رکھ دیے اور خود بھی روٹی کھانے لگا۔ روٹی کھالینے کے بعد بندر، باز، بوڑھے اور جنید کے جسم میں توانائی آگئی۔ سب نے تازگی محسوس کی۔ بوڑھے نے جنید سے کہا: بیٹا آج تم نے میری جان بچالی، ورنہ میں راستے میں ہی بیٹھا بیٹھا ختم ہوجاتا۔

جنید نے کہا بابا! میں کون ہوتا ہوں جان بچانے والا۔ سب اللہ کا کرم ہے۔ اس نے عین وقت پر مجھے بھیج دیا اور میری مشکل آسان کردی۔ مجھے رات گزارنے کے لیے ایک چھت تو مل گئی۔ ورنہ نہ جانے مجھے کہاں کہاں بھٹکنا پڑتا۔

بیٹے تم کہاں کے رہنے والے ہو، اور یہاں کیوں آئے ہو؟ بوڑھے بابا نے جنید سے پوچھا۔ جنید نے کہا بابا میں پاس کے گاؤں میں رہتا ہوں میری ماں کو ڈاکوؤں نے مار ڈالا۔ اس لیے میں گاؤں چھوڑ کر چلا آیا اب یہیں کوئی کام کروں گا۔ اور یہیں رہوں گا۔

بوڑھے نے یہ بات سنی تو کہا۔ تم میرے پاس ہی رہو۔ میں تمھیں بندر کا تماشہ سکھا دوں گا۔ ہم تم ساتھ رہا کریں گے۔ اچھی طرح گزر بسر ہوجائے گی۔

ٹھیک ہے بابا آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔ پھر تھوڑی دیر رک کر جنید نے کہا۔ بابا میں جنگل سے جب آرہا تھا تو مجھے راستے میں ایک گھوڑا اور ایک نہایت قیمتی تلوار ملی ہے۔ گھوڑا باہر بندھا ہوا ہے اور تلوار بھی اس کی پیٹھ پر رکھی ہوئی ہے۔ ایک شیر نے مجھ پر حملہ کیا تو میرے ساتھ ایک کتا تھا۔ اس نے میری جان بچائی، خود مر گیا اور مجھ پر آنچ نہ آنے دی۔ میں نے تلوار سے اس شیر کو ختم کردیا۔ اس شیر کا کٹا ہوا سر، تلوار، گھوڑا اور خون سے لت پت کپڑے بھی میرے ساتھ ہیں۔

بوڑھے بابا نے یہ بات سنی تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فوراً ہی اس نے کہا ذرا وہ کپڑے اور تلوار مجھ دکھلانا۔

جنید باہر گیا اور کپڑے تلوار اور شیر کا سر لا کر بابا کے سامنے رکھ دیا، دیکھتے ہی بابا نے کہا۔

بیٹا تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ تمھاری قسمت جاگ گئی، تم بڑے تقدیر والے ہو۔

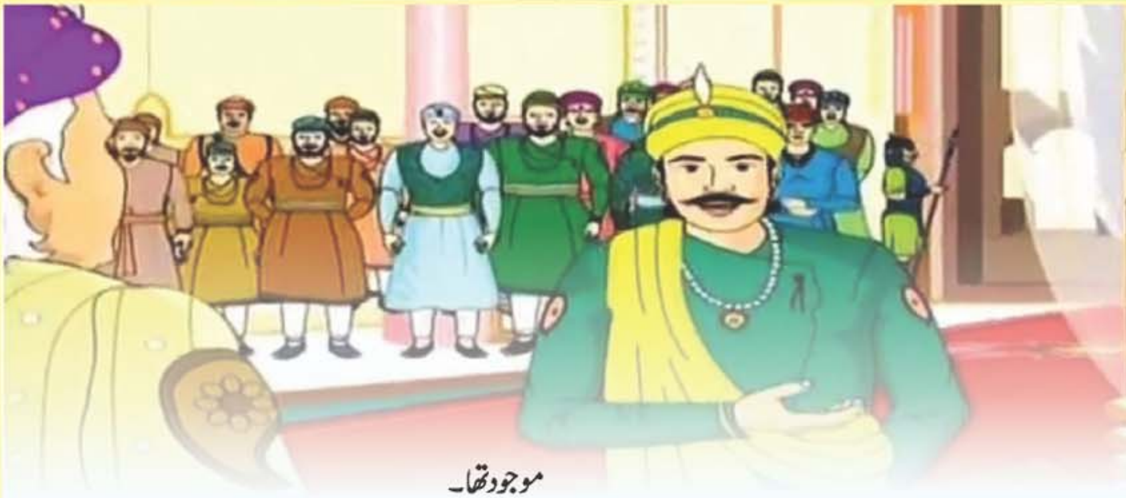

جنید نے حیرت سے کہا بابا وہ کس طرح؟

بوڑھے بابا نے کہا دیکھو اس سلطنت کے راجے کا بیٹا کچھ ساتھیوں کے ساتھ شکار کھیلنے کے لیے جنگل میں گیا تھا لیکن وہ راستہ بھول گیا اور جنگل سے واپس نہ آسکا، لوگوں نے اس کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ آج راجہ کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ جو کوئی اس کا پتہ بتائے گا اسے انعام سے مالامال کردیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ یہ گھوڑا، کپڑے اور تلوار شہزادے کے ہیں، ہوسکتا ہے اسی جنگل میں شیر نے اسے مار ڈالا ہو اور گھوڑا کہیں پھنس گیا ہو جو تمھیں جھاڑیوں میں ملا۔ اب تم کل صبح ان چیزوں کو راجہ کے سامنے پیش کرکے تمام باتیں سچ سچ بتا دو۔

یہ باتیں سن کر جنید حیرت میں پڑ گیا۔ اسے خوشی بھی ہوئی اور ڈر بھی لگ رہا تھا کہ پتہ نہیں راجہ اس سے کیا کیا سوالات پوچھے۔ بہرحال اس نے کوئی برا کام نہیں کیا تھا اس کا دل مطمئن تھا۔ رات ہوگئی تو وہ زمین پر چٹائی بچھا کر سوگیا۔

صبح اٹھا تو بوڑھے بابا اٹھ چکے تھے۔ باز ابھی تک وہیں موجود تھا۔

منھ ہاتھ دھوکر انھوں نے راجہ کے دربار میں جانے کی تیاری شروع کردی۔ بوڑھا جنید کے ساتھ تلوار، کپڑے، گھوڑا اور شیر کا کٹا ہوا سر لے کر محل کی طرف روانہ ہوا۔ راجہ کے محل میں پہنچ کر دربان سے بوڑھے بابا نے کہا: ہم شہزادے کے بارے میں بڑی اہم خبر لے کر آئے ہیں۔ اسی وقت راجہ کو اطلاع کی گئی۔ راجہ بھاگتا ہوا آیا اور اس نے دیکھتے ہی شہزادے کے گھوڑے کو پہچان لیا۔ کپڑے اور تلوار دیکھ کر راجہ نے کہا کہ یہ سب چیزیں شہزادے کے ہی ہیں۔ پھر اس نے بوڑھے بابا سے پوچھا ''کیوں مداری تمھیں یہ سب چیزیں کہاں سے ملیں؟''

بوڑھے بابا نے کہا حضور مجھے نہیں اس لڑکے کو ملی ہیں۔

راجہ نے کہا یہ لڑکا تمھیں کہاں ملا؟

بوڑھے مداری نے تمام باتیں اسے تفصیل سے بتا دیں۔ پھر راجہ نے جنید سے پوچھا ''ہاں بیٹے بتاؤ یہ سب چیزیں تمھیں کہاں سے ملیں؟ جنید نے جنگل میں پیش آنے والے تمام واقعات راجہ صاحب کو بالکل سچ سچ بتا دیے، شیر کا کٹا ہوا سر بھی دکھایا۔ کتے کے مارے جانے کی بات بھی بتا

دی۔ سب باتیں سننے کے بعد اسی وقت راجہ نے اپنے سپہ سالار اور چند سپاہیوں کو ساتھ لیا اور جنید کے ساتھ اسی جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ سپاہی گھوڑے پر سوار تھے اور راجہ بگھی پر بیٹھا ہوا تھا اور جنید بھی ساتھ تھا۔ اسی کی رہنمائی میں وہ جنگل میں اس جگہ پہنچے جہاں شیر نے جنید پر حملہ کیا تھا۔ شیر کی بے سر کی لاش ابھی تک وہاں پڑی ہوئی تھی اور مرا ہوا کتا بھی وہاں موجود تھا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے اور اس جگہ پہنچے جہاں گھوڑا جھاڑیوں میں پھنسا ہوا تھا اور جہاں تلوار اور کپڑے ملے تھے۔ اس کے بعد سپاہی جھاڑیوں اور چٹانوں میں شہزادے کی لاش ڈھونڈنے لگے۔ کچھ دیر بعد اچانک ایک سپاہی کی آواز سنائی دی جو سب کو اپنی طرف بلا رہا تھا۔ سب کے سب دوڑ کر اس طرف گئے۔ جھاڑیوں کے پیچھے ایک بڑی سی چٹان تھی اس چٹان کے پیچھے شہزادے کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ سے اس کا گوشت غائب تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی جنگلی درندے نے اسے مار کر کھالیا ہو۔ بادشاہ نوجوان شہزادے کی لاش دیکھ کر بے اختیار رونے لگا۔ سپاہیوں نے لاش کو کپڑے میں لپیٹ کر بگھی میں رکھا اور سب لوگ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ محل میں شہزادے کی لاش پہنچی تو پورے شہر میں شہزادے کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ محل کے تمام لوگ زار و قطار رونے لگے۔ ملکہ نے جب شہزادے کی لاش دیکھی تو اس پر ایک سکتہ سا طاری ہوگیا اور ایسا لگتا تھا جیسے اس کی جان ہی نکل گئی ہو۔ بادشاہ نے رانی کی اس حالت کو دیکھا تو اور زیادہ پریشان ہوگیا۔ شہر کے لوگوں کو جیسے جیسے یہ خبر پہنچی لوگ جوق در جوق محل کی طرف روانہ ہوگئے۔ شہزادے کی محبت انھیں بے اختیار کھینچ کر محل کی طرف لیے چلی آرہی تھی۔ ہر ایک رو رہا تھا اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ ہر زبان پر اس کا ذکر تھا اور سارا شہر ماتم کدہ بن گیا تھا۔ ہر گھر اور ہر دکان پر کالے جھنڈے لگا دیے گئے تھے۔ تمام کاروبار بند ہوگیا تھا۔ رانی اور راجہ کی حالت دیکھ کر سبھی لوگ پریشان تھے، حکیم اور وید اُن کی دیکھ بھال میں لگے ہوئے تھے۔

جنید نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ بے اختیار رونے لگا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ یہ افسوس ناک خبر نہ لاتا تو محل کی یہ حالت نہ ہوتی، کچھ دیر تک وہ یہی سوچتا رہا اور افسوس کرتا رہا، پھر گھر واپس آگیا۔ شام ہورہی تھی۔ بوڑھے بابا کے جھونپڑے میں پہنچا تو بوڑھے بابا باز کے زخم پر پٹی باندھ رہے تھے۔ بندر کھونٹی سے بندھا ہوا بیٹھا تھا۔ جنید کے اترے ہوئے چہرے کو بابا نے دیکھا تو سوال کیا۔

کیوں بیٹا کیا ہوا؟

بابا! سب برباد ہوگیا راجہ صاحب کا۔ شہزادے کی لاش اس جنگل میں مل گئی جسے دیکھ کر راجہ اور رانی دونوں کی حالت ایسی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی۔ پورے شہر میں ہاہاکار مچ گیا ہے۔ محل میں سوائے رونے کی آوازوں کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ایسی حالت ہوگی تو یہ افسوسناک خبر نہ پہنچاتا۔

نہیں بیٹے اس میں تمھارا کیا قصور؟ بوڑھے بابا نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تم کو جو کچھ معلوم تھا تم نے بتا دیا۔ ہونی تو ہوچکی تھی تم نے تو صرف خبر دی، خدا انھیں صبر عطا کرے۔ چلو بیٹا میں نے روٹی پکالی ہے۔ بیٹھ کر کھالو۔

جنید نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ زور کی بھوک لگی ہوئی

تھی۔ اس نے منھ ہاتھ دھویا اور روٹی دال بوڑھے بابا کے ساتھ بیٹھ کر کھائی۔ باز کے زخم اب تھوڑے بہت بھر چکے تھے۔ بابا نے مرہم لگا کر دوسری پٹی باندھ دی تھی۔ اب وہ بھی ان سے ہل مل گیا تھا۔ آج بابا بھی کام پر نہیں گئے۔ راجہ نے جو انعام دینے کا وعدہ کیا تھا شہزادہ کی خبر لانے والے کو وہ بھی نہیں ملا تھا۔ جنید کو بھی انعام کا لالچ نہیں تھا۔ قدرت نے اس کے ذریعے سے ایک خبر راجا تک پہنچادی تھی، کھاپی کر دونوں جھونپڑے میں سو گئے۔

سویرے اٹھ کر انھوں نے کھیل تماشے کی تیاری کی اور باز اور بندر کو لے کر جنید اور بابا شہر میں آئے۔ اِدھر اُدھر دونوں نے کچھ تماشا دکھایا۔ تھوڑے بہت پیسے ملے۔ شام ہوتے ہی وہ گھر لوٹ آئے۔

گھر پہنچ کر جنید نے اپنے ہاتھوں سے روٹی ترکاری پکائی، بابا کے ساتھ خود کھایا بندر اور باز کو بھی کھلایا۔

اب ان کا یہ روز کا معمول بن گیا کہ صبح کو نکلتے اور مختلف جگہوں پر کھیل تماشہ دکھاتے اور جو کچھ کماتے شام کو گھر آتے اور اطمینان سے کھانا کھاتے اور چین کی نیند سوتے۔ باز اب ان کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔ باز کو بھی بابا نے کچھ کرتب سکھا دیے تھے۔ مثلاً وہ کسی چیز کو اپنے پنجوں میں دبا کر اڑتا اور پھر نیچے چلا آتا اس کی وجہ سے ان کا چرچہ جگہ جگہ ہونے لگا اور باز کی وجہ سے زیادہ لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے آنے لگے اور پیسے بھی زیادہ ملنے لگے۔ بابا نے جنید کو رسی پر چلنے اور رسی پر دور تک پھسلنے کا کرتب بھی سکھا دیا تھا۔ ان سب چیزوں کی وجہ سے ان کی آمدنی اچھی خاصی ہو جاتی تھی۔

بابا نے جنید کو کئی بار کہا کہ محل میں جا کر دیکھے کہ راجا کی کیا حالت ہے۔ رانی صاحبہ کو ہوش آیا یا نہیں لیکن جنید نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اسے انعام کا لالچ نہیں تھا لیکن راجہ نے اعلان کیا تھا تو انھیں انعام دینا چاہیے تھا لیکن محل میں ہر سمت افراتفری مچی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں بھلا وہ کیا یاد رکھتے اور کیا انعام دیتے۔

اسی طرح بابا کے ساتھ رہتے رہتے کھیل تماشہ دکھاتے دکھاتے تقریباً دو مہینے بیت گئے، اب بندر اور باز کا زیادہ تماشہ جنید ہی دکھاتا تھا۔ وہ بابا کو ایک طرف بیٹھا دیتا، ان کو زیادہ کام نہ کرنے دیتا۔ کھانے پینے کو بھی ایسی چیزیں نہ دیتا جس

قسط وار

سے بابا کو نقصان پہنچے۔ ایک روز وہ کھیل دکھا کر واپس آ رہے تھے کہ بابا کے سینے میں زور کا درد اٹھا جنید نے یہ حالت دیکھی تو گھبرا گیا، کسی طرح انھیں اٹھا کر جھونپڑے تک لایا اور انھیں چارپائی پر لٹا دیا۔ دوائی کی گولیاں ڈھونڈنے لگا لیکن اسے گولیاں کہیں دکھائی نہیں دیں۔ بابا کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ درد کی تکلیف سے چلا رہے تھے۔ جنید نے انھیں تسلی دی اور حکیم صاحب کی طرف جانا چاہتا تھا کہ بابا نے اسے روک دیا اور کہا ''بیٹے اب میرا آخری وقت آ گیا ہے اس حالت میں مجھے چھوڑ کر کہیں نہ جاؤ۔

''نہیں بابا نہیں، جنید نے کہا بس میں گیا اور ابھی دوائی لے کر آیا۔ میں اس طرح تم کو مرنے نہیں دوں گا۔''

''نا بیٹے نا، اب مجھے کوئی دوا اور کوئی حکیم نہیں بچا سکتا، یہ جھونپڑا اب تمھارا ہے محنت اور ایمانداری سے کام کرنا خدا تمھیں سکھی رکھے گا۔ کبھی کسی کو نقصان نہ پہنچانا، دوسروں کی بھلائی کے لیے نیک کام کرنا، میرے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہیں، بس یہی دعائیں اور نصیحتیں ہیں جو تمھیں دے کر جا رہا ہوں۔ ان جانوروں کا خیال رکھنا اپنی روزی میں سے ان کا حصہ بھی نکالنا۔ انھیں کبھی تکلیف نہ پہنچانا۔ بیٹا تم نے مجھے ایک بار زندگی دی تھی، ایک دفعہ بچا لیا تھا، اب یہ میرا آخری سفر ہے میں جا رہا... ہوں۔''

''نہیں بابا نہیں جنید روتے ہوئے چلایا لیکن اس کی چیخ بھی پوری نہ ہوئی تھی کہ بوڑھے بابا کی روح ان کے جسم سے نکل گئی اور جنید ان کی لاش کو پکڑ کر رونے لگا۔ بے زبان جانور بھی کچھ دیر تک اپنے مالک کی موت پر آنسو بہاتے رہے۔

صبح کو پڑوسیوں کی مدد سے جنید نے بوڑھے بابا کی آخری رسم ادا کی۔ دو دن وہ دھندے پر نہیں گیا۔ تیسرے دن اس نے باز اور بندر کو لیا اور پھر سے اپنے کام پر روانا ہوا۔

اس طرح اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اب وہ اکیلا ہی باز اور بندر کو لے کر جاتا اور ان کی مدد سے کھیل تماشہ دکھاتا۔ جو پیسے ملتے ان سے خود کھاتا، جانوروں کو کھلاتا اور اطمینان کی نیند سو جاتا۔

(جاری...)

■

ماخذ: بے زبان ساتھی، **مصنف:** وکیل نجیب، **سنہ اشاعت:** چوتھی طباعت 2014، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جوابات (اردو زبان کا جادو)

Level -1

(2) شریر حروف

(1)	ب	(2)	ت	(3)	ج	(4)	ح	(5)	د
(6)	ذ	(7)	س	(8)	ص	(9)	ط	(10)	ع
(11)	غ	(12)	ف	(13)	ق	(14)	ک	(15)	ل
(16)	م	(17)	و	(18)	ھ	(19)	ی	(20)	ے

انتخاب بن تنویر

کیمرے کا سفر

19/اگست کو 'ورلڈ فوٹو گرافی ڈے' ہے۔ فوٹو گرافی کے سفر میں کیمرہ بھی لگاتار اپ ڈیٹ ہوتا رہا ہے۔ آیئے جانتے ہیں کیسا رہا کیمرے کا سفر۔

آبسکیور کیمرہ:

اٹھارہویں صدی میں جب کیمرے نہیں تھے تب کسی امیج (عکس) کو ٹریس کرنے کے لئے آبسکیور (Obscure) کا استعمال ہوتا تھا۔ پہلے کیمرے تقریباً کمرے کے سائز کے ہوتے تھے۔ وقت کے ساتھ ان کے ماڈل بدلتے گئے اور ان کا سائز چھوٹا ہوتا گیا۔

کیلو ٹائپس:

1816 میں نیپسے نے کیمرہ امیج کی پہلی فوٹو گراف نکالی۔ 1840 میں ہنری فاکس نے 'کیلوٹائپس' نام کی ایک نئی پروسیس تیار کی۔ اس سے ایک ہی فوٹو کی بے شمار کاپیاں بنائی جا سکتی تھیں۔

فلم:

جارج ایسٹ مین نے پہلی بار پیپر فلم کا استعمال کیا۔ اس کے پہلے کیمرے کو انہوں نے کوڈک (Kodak) نام دیا، جو 1888 میں مارکیٹ میں آیا۔ اس میں ایک سو (100) پکچرس لیے جا سکتے تھے اور ختم ہونے پر فلم کو بدلا بھی جا سکتا تھا۔ کیمرہ فلم کے استعمال سے ہی Movie کیمرے کی ایجاد ہوئی۔

ٹی. ایل. آر. اور ایس. ایل. آر.

پہلا ریفلیکس کیمرہ 1828 میں ٹی ایل آر (Twin Lens Reflex) کی شکل میں آیا۔ یہ کافی مقبول ہوا۔ 1933 میں ایس ایل آر (Single Lens Reflex) کیمرے کا ڈیزائن بننا شروع ہوا، جس میں ایک سو ستائیس ریل فلم لگی ہوئی تھی۔

ڈرائی پلیٹس:

1874 میں ریچرڈ لیچ میڈوکس نے کیمرے کو اس سائز کا کر دیا، جس میں اسے ہاتھ میں لینے میں آسانی ہو۔ اس کے ساتھ ہی، ڈیٹکٹو (Detective) کیمرہ، پاکٹ واچ، ہیٹ وغیرہ میں لگائے جانے والے کیمروں کی بھی ایجاد ہونے لگی۔

پولرائیڈ ماڈل:

1948 میں ایک بالکل ہی نیا کیمرہ آیا، جسے ایڈون لینڈ نے بنایا۔ اس میں انسٹینٹ (Instant) یعنی فوراً تصویریں نکل

آتی تھیں۔

ڈیجیٹل کیمرہ:

اس میں فلم کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔ فوٹو، ڈیجیٹل میموری کارڈ میں محفوظ (Save) ہوتا ہے۔ Low Cost کی وجہ سے اس کا استعمال فون میں بھی کیا جاتا ہے۔ 2000 میں جاپان میں دنیا کا پہلا کیمرہ فون بنا۔

کیمرے سے متعلق چند دلچسپ باتیں:

* 'کیمرہ' لاطینی زبان کے 'کیمرہ آبسکیورا' (Camera Obscura) سے آیا ہے جس کا مطلب ہے Dark Chamber یعنی اندھیرا کمرہ۔
* 'فوٹو گرافی' لفظ یونانی زبان سے لیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے Light یعنی اجالا یا روشنی۔
* انگریز سائنس داں رابرٹ بائل اور ان کے اسسٹنٹ رابرٹ ہک نے 1660 میں Portable کیمرہ بنایا۔
* کوڈک نے سب سے پہلے ڈیجیٹل کیمرے کو 1975 میں ڈیزائن کیا تھا۔ اس کیمرے کو Steve Sesson نے بنایا تھا۔ کیمرے کا وزن لگ بھگ تین کلوگرام تھا اور ایک میگا پکسل گنجائش والے اس کیمرے سے بلیک اینڈ وہائٹ تصویریں کھینچ سکتے تھے۔
* اپنا فوٹو گراف کھینچنے کو 'سیلفی' کہتے ہیں۔ 2013 میں 'سیلفی' لفظ کو آکسفورڈ ڈکشنری نے اپنے آن لائن ورژن میں شامل کیا تھا۔

■

Intekhab Bin Tanweer
59, Chuna Shah Colony
P.O.: Mango, Jamshedpur-831012

اچھی باتیں

(1) جب عقل پوری ہو جاتی ہے تو بات کم ہو جاتی ہے۔
(2) غصہ کی ابتدا جنون اور انتہا شرمندگی ہے۔
(3) جب کسی بات کی تکرار بار بار ہوتی ہے تو وہ دل میں بیٹھ جاتی ہے۔
(4) گھر سے پہلے پڑوس کو اور سفر سے پہلے ہم سفر کو تلاش کرو۔
(5) بھلائی پر رہنمائی کرنے والا بھلائی کرنے والے کی طرح ہے۔
(6) دولت سے محروم عقلمند، دولت مند جاہل سے بہتر ہے۔
(7) عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔
(8) جیسا کروگے ویسا ہی تمھارے ساتھ کیا جائے گا۔
(9) خدا کے آگے رونے والے کو دنیا رلا نہیں سکتی۔
(10) صدقہ بلا اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور دنیا میں 20 دروازے برائی کے بند کرتا ہے۔
(11) جب غصہ آئے تب کوئی فیصلہ مت کرنا جب خوش ہو تب کوئی وعدہ مت کرنا۔
(12) ماں باپ کی نافرمانی موت سے پہلے موت کا اعلان ہے۔

■

مرسلہ: سید ارشاد عالم
دریاپور، سونگرہ، ضلع: کٹک (اڈیشہ)

محمد ضمام الحق ابن محمد عین الحق

چمن چمن کے پھول

ہمارے سر کی پھٹی ٹوپیوں پہ مت جانا
ہمارے تاج عجائب گھروں میں رکھے ہیں
(اسعد بدایونی)

آیا سرپھری ہوا ہے کہ خود کر رہی ہے گل
اور خود ہی پوچھتی ہے چراغوں کو کیا ہوا
(شاعر لکھنوی)

میں نے پوچھا پہلا پتھر مجھ پر کون اٹھائے گا
آئی اک آواز کہ تو جس کا محسن کہلائے گا
(قتیل شفائی)

جب رک گئے تو راستے مسدود ہوگئے
جب اٹھ گئے قدم تو ہمیں راستہ ملا
(دوکراراہی)

جس قوم کے بچے نہیں خوددار و ہنرمند
اس قوم سے تاریخ کے معمار نہ مانگو
(میر واصف علی)

حویلی جھونپڑی سب کا مقدر پھوٹ جائے گا
اگر یہ ساتھ ہندو مسلموں کا چھوٹ جائے گا
دعا کیجیے رہیں یہ پیار کے رشتے یوں ہی قائم
یہ رشتے ٹوٹ جائیں گے تو بھارت ٹوٹ جائے گا
(جوہر کانپوری)

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے
(علامہ اقبال)

ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت
اب آگے تری خوشی ہے جو سرفراز کرے
(حسرت موہانی)

جینے کی ہر اک راہ بھلا دیتا ہے
عز و شرف و جاہ بھلا دیتا ہے
جس قوم سے رخصت ہوئی اللہ کی یاد
اس قوم کو اللہ بھلا دیتا ہے
(اختر انصاری)

■

Mohammad Zamamul Haque
S/o Mo Ainul Haque
Sayyad Jamal Pura
Nandura - 443404 (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ہنسی کے غبارے

گھر پر کوئی نہیں تھا۔ دودھ والے نے گھنٹی بجائی۔ اندر سے طوطے کی آواز آئی: ”کون ہے؟“

دودھ والے نے کہا: ”دودھ والا۔“

طوطے نے پھر پوچھا: ”کون ہے؟“

دودھ والے نے پھر جواب دیا: ”دودھ والا۔“

آخر بار بار ایک ہی سوال سے تنگ آکر دودھ والے نے پوچھا: ”آخر تم کون ہو؟“

طوطے نے کہا: ”دودھ والا۔“

اپنے موٹاپے سے بیزار ایک شخص ڈاکٹر کے پاس گیا تو اس نے پچاس گولیوں سے بھری ایک شیشی اسے پکڑا دی۔ مریض نے پرامید ہوکر پوچھا: ”ڈاکٹر صاحب! کیا یہ سب گولیاں کھانے سے میرے موٹاپے میں خاطر خواہ کمی ہوجائے گی۔“

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا: ”یہ گولیاں کھانے کے لیے نہیں ہیں۔ آپ ہر روز صبح سویرے بستر سے اٹھنے کے بعد اس شیشی کی تمام گولیاں فرش پر الٹ دیں اور شیشی اپنے قد کے برابر کسی اونچی جگہ پر رکھ دیں۔ اس کے بعد باری باری ایک ایک گولی فرش سے اٹھائیں اور شیشی میں ڈالتے جائیں۔ چند روز تک یہ علاج باقاعدگی سے کریں۔ انشاءاللہ افاقہ ہوگا۔“

کنجوس باپ (بیٹے سے): ”اگر میں تم کو ایک روپیہ دوں تو تم اس کا کیا کروگے؟“

بیٹا: ”ابو! میں آپ کو واپس کردوں گا۔“

باپ نے حیران ہوکر پوچھا: ”وہ کیوں؟“

بیٹے نے جواب دیا: ”اِس لیے کہ میرے سوجانے کے بعد آپ میری جیب سے ایک روپیہ نکال لیں گے۔“

ایک صاحب (اپنے دوست سے): ”میرے ڈاکٹر نے وعدہ کیا تھا کہ میں ایک ہفتے میں اپنے قدموں پر چلنے لگوں گا۔“

دوست نے پوچھا: ”پھر کیا ہوا؟“

اُن صاحب نے جواب دیا: ”اُس کی پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ اس کا بل دیکھتے ہی مجھے اپنی گاڑی فروخت کرنی پڑ گئی اور اب میں پیدل چل رہا ہوں۔“

ہندوستان میں قومی کھیلوں کی ابتدا آزادی سے پہلے 1924 میں لاہور میں ہوئی۔ اس وقت ان کھیلوں کو ہندوستانی اور اولمپک کھیلوں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ان کھیلوں کے بانی ڈی۔ جی۔ سوندھی تھے جو آگے چل کر پنجاب اولمپک ایسوسی ایشن کے بانی سکریٹری بنے۔

قومی کھیل ہر دو سال میں ایک مرتبہ کھیلے جاتے ہیں۔ 1940 تک کھیلے گئے کھیلوں کو ہندوستانی اولمپک کھیل کہا گیا۔ اسی سال ممبئی میں منعقد کھیلوں کو قومی کھیلوں کا نام دیا گیا۔ ایک عرصے تک قومی کھیلوں میں بنیادی کھیلوں کو ہی شامل کیا گیا مگر جدید قومی کھیل اولمپک کھیلوں کے طرز پر پہلی بار 1985 میں نئی دہلی میں کھیلے گئے۔

2002 میں حیدرآباد میں منعقد قومی کھیلوں کے بعد گوہاٹی شہر کو قومی کھیلوں کی میزبانی کرنے کے لیے پانچ سال کا عرصہ لگا۔ انڈین اولمپک ایسوسی ایشن کھیلوں کے قانون، مدت اور نظام الاوقات کو تیار کرتی ہے۔

قومی کھیلوں میں انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ کسی واحد کھلاڑی کا کسی دوسرے کھلاڑی کے مقابلے میں کھیلے جانے والا کھیل انفرادی کھیل کہلاتا ہے۔ انگریزی میں اس کھیل کو Individual event کہتے ہیں۔ کشتی، تیراکی، گولف، شوٹنگ (نشانہ بازی)، ڈسک تھرو، شاٹ پٹ تھرو، لانگ جمپ، ہائی جمپ اور مختلف دوڑ انفرادی کھیل ہیں۔

دو یا دو سے زیادہ کھلاڑی گروہ کا دوسرے گروہ کے مقابلے میں کھیلا جانے والا کھیل اجتماعی کھیل کہلاتا ہے۔ انگریزی میں اس کھیل کو Group event کہتے ہیں۔ کبڈی، ہاکی، پولو، کھوکھو، فٹ بال، کرکٹ، باسکٹ بال، بال بیڈمینٹن اجتماعی کھیل ہیں۔

ایسے کھیل جو چار دیواری کے اندر کھیلے جاتے ہیں جیسے کراٹے، شطرنج، اسنوکر، ٹیبل ٹینس، جوڈو، باکسنگ، بال بیڈمنٹن وغیرہ اور ایسے کھیل جو کھلے میدان میں کھیلے جاتے ہیں بیرون خانہ Out door Games کہلاتے ہیں۔ جیسے کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، والی بال، ٹینس وغیرہ۔

■

Afra Mehboob Subhani Makandar
Class 6h
GUHPS No: 2, Bailhongal (Karnataka)

سمیر خلیل شاہ

برسات کا موسم رحمت بھی زحمت بھی

برسات کا موسم ہم بچّوں کے لیے بڑے مزے کرنے کا موسم ہوتا ہے۔شاید ہی کوئی ایسا بچہ ملے جو برسات کے موسم کو پسند نہ کرتا ہو۔ مجھے بھی یہ موسم بڑا ہی پُر لطف لگتا ہے بلکہ یہ کہوں تو کچھ غلط نہ ہوگا کہ اس موسم کے آتے ہی میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔کیوں نہ ہو...؟ ہر طرف ہریالی پھیل جاتی ہے۔ سوکھے پیڑ پودوں میں جان آجاتی ہے اور وہ اچھے اچھے پھل، پھول دینے لگتے ہیں۔کسان، پرندے، جانور سبھی خوش ہوتے ہیں۔کوئل میٹھے گیت گنگنانے لگتی ہے۔مور بھی اسی موسم میں جھوم جھوم کر اپنے پنکھوں پر کی گئی قدرت کی کاریگری کا نظارہ کراتا ہے۔ نئے نئے کیڑے مکوڑے دیکھنے کو ملتے ہیں۔جو صرف بارش کے موسم میں ہی نظر آتے ہیں۔جیسے بارش کے آنے پر جی اُٹھتے ہوں اور اس کے جاتے ہی دم توڑ دیتے ہیں۔

برسات میں مجھے کھیلنا بہت پسند ہے۔خاص کر فٹ بال کھیلنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔کچھ بچّے گلیوں میں قمیض اُتار کر چلاّتے پھرتے ہیں۔شاید ان کا یہی پسندیدہ کھیل ہو، اُنھیں گھر کے بڑے کتنا ہی منع کریں، بیماریوں سے کتنا ہی ڈرائیں لیکن وہ تو اپنی مستی میں مست گھومتے رہتے ہیں۔ہاں لیکن شام کو جب کھانسی، چھینک اور بخار چڑھتا ہے تو ان کی یہ مستی اُتار دیتا ہے۔

دوستو! یہ بارش جب نہیں ہوتی تو ہر طرف سے دعاؤں کے لیے ہاتھ اور نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھتی ہیں۔ بارش کے نہ ہونے، کم ہونے یا زیادہ ہونے پر بھی بے چارے کسانوں کی تو جان پر ہی بن آتی ہے۔ان کا گزارا اِس بارش پر ہی ٹکا ہوتا ہے۔ جب یہ بارش زیادہ ہوجائے تو بھی وبالِ جان ہوجاتی ہے کیونکہ اس سے اچھی فصل بھی تباہ ہوجاتی ہے، ندی، نالے، تالاب سب میں سیلاب آجاتا ہے اور کئی جھونپڑیاں، سامان، جانور، گاڑیاں وغیرہ بہہ جاتے ہیں۔ساتھ ہی پکے مکانوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ یقین نہیں آتا۔ ارے بھئی چلئے میں آپ کو ایسی ہی ایک زحمت والی بارش کا واقعہ بتاتا ہوں۔ یہ سُنا، سُنایا نہیں بلکہ خود ہمارے اسکول، ملّت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں کا ہے۔ ہمارے اسکول کے میدان میں سے ایک نالا بہتا ہے جس میں بارش کے سبب سیلاب آتا رہتا ہے۔ کچھ سال پہلے تین چار روز سے چلنے والی لگاتار موسلادھار بارش سے نالے میں آئے سیلاب کی وجہ سے ہمارے اسکول کی پہلی منزل تک ڈوب گئی۔اسی پہلی منزل پر ہمارے صدر مدرس، کلرک اور ٹیچر اسٹاف روم کے علاوہ کچھ کلاس روم بھی ہیں۔ جو اس سیلاب کی زد میں آگئے اور پھر

آفس میں موجود سارے کاغذات، فائلیں، کمپیوٹر، کرسیاں غرض ہر چیز بھیگ گئی اور پھر ہمیں ایک ہفتے کی چھٹیاں مل گئیں۔ حالانکہ چھٹیاں ہمیں پسند ہیں لیکن ہمارا پیارا اسکول پانی میں ڈوبا ہوا اور ہم مزے سے چھٹیاں مناتے ایسا کیسے ممکن ہے؟ ہم میں سے کچھ طلبہ بھی اپنے اساتذہ اور اسکول کے چاچا (پیون) کے ساتھ اسکول کی صفائی کے کام میں جُٹ گئے۔ کرسیاں تو سکھا کر، صاف کر کے استعمال کے لیے تیار ہوئیں لیکن ہمارے سارے ریکارڈس بھیگ کر خراب ہو گئے۔ ہمارا اسکول جلگاؤں میں دوسرا سب سے پرانا اسکول ہے اس لیے اتنے سالوں کے ریکارڈس دوبارہ بنانا بہت مشکل کام تھا مگر اوپر والا ہمارے اساتذہ کو اچھا رکھے انھوں نے کڑی محنت سے دن رات ایک کر کے تمام ریکارڈس یکجا کیے اور تقریباً ایک ماہ بعد سب نے آرام کی سانس لی۔

دوستو! یہ ایک ادنیٰ سا قصّہ تھا اس سے بھی کئی بڑے نقصان اس زحمت والی بارش سے ہوتے ہیں لہٰذا ہمیں چاہیے کہ خدا سے ہمیشہ اس کی رحمت والی بارش کی دعا مانگنی چاہیے ساتھ ہی زحمت والی بارش سے حفاظت کی دعا بھی کرنی چاہیے۔ حال ہی میں کئی دنوں کے بعد دوبارہ بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ کہیں گرجدار بجلیاں چمک رہی ہیں تو تو کہیں موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ آیئے ہم سب مل کر خدا سے دعا کریں کہ اے خدا اس بارش کو ہمارے لیے رحمت بنا دے اور اس کے نقصان سے ہماری حفاظت فرما..... آمین!

■

Sameer Khalil Shah
Class: X
Millat High School
Mahroon, Jalgaon (Maharashtra)

دو ساتھی

دو دوست ایک ہی ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن وہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک دوست کو اشرفیوں کی تھیلی ملی تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا: دیکھو مجھے یہ تھیلی ملی ہے۔ دوسرے ساتھی نے کہا دیکھو بھائی ہم دونوں ساتھ رہتے ہیں، ساتھ کھاتے ہیں، ساتھ چلتے ہیں، اس لیے یہ تھیلی ہم دونوں کی ہے۔ لیکن اس کا دوست نہ مانا اور دونوں تھیلی کے لیے جھگڑتے رہے۔ اتنے میں پیچھے سے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے۔

''یہ دیکھو ہماری اشرفیوں کی تھیلی ان لوگوں نے چرائی ہے۔'' یہ سن کر تھیلی پانے والے ساتھی نے کہا۔ کیوں بھائی کیا علاج کیا جائے۔ اب تو ہم مارے جائیں گے۔ دوسرا ساتھی بولا میں کیوں مارا جاؤں گا۔ جب تم نے تھیلی پانے میں شریک نہ کیا تو اب میں آفت میں تمھارا ساتھی نہیں۔

جو لوگ فائدے میں کسی کو شریک نہیں کرتے
مصیبت میں کوئی ان کا ساتھ نہیں دیتا ہے

■

Tazin Mohammed Farooq Maldar
Class 6th, Govt Urdu Higher
Primary School No 3 Bailhongal
Distt: Belgam (Karnataka)

محمد ابوذر محمد موسیٰ، درجہ سوم
ضلع پریشد اردو ڈجیٹل اسکول، کرہ دیشمکھ، امراوتی، مہاراشٹر

جونیرہ جیلانی مکاندار، درجہ ششم، سرکاری اردو ہائی اسکول، بیل ہونگل، کرناٹک

الیزہ فرید شاہ ولی کڑچی، درجہ ہفتم، جی یو ایچ پی ایس نمبر 2، بیل ہونگل، کرناٹک

ابوبکر عباسی، درجہ سوم، کیڈس گارڈن کانوینٹ اسکول، الہ آباد، یوپی

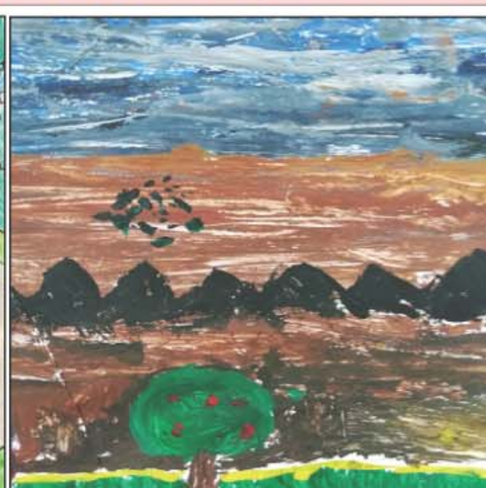

طوبیٰ طفیل احسن، معروف پور، جونپور، اترپردیش

شمع پروین، درجہ ششم، مدرسہ اہل سنت ضیاء العلوم، بغیچہ، ضلع امبیڈکر نگر، یوپی

ابوبکر، درجہ اوّل، کیڈس گارڈن اسکول، الہ آباد، یوپی

شفاء ناز آصف خان پٹھان، درجہ نہم
انجمن اردو ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج جامنیر ضلع جلگاؤں

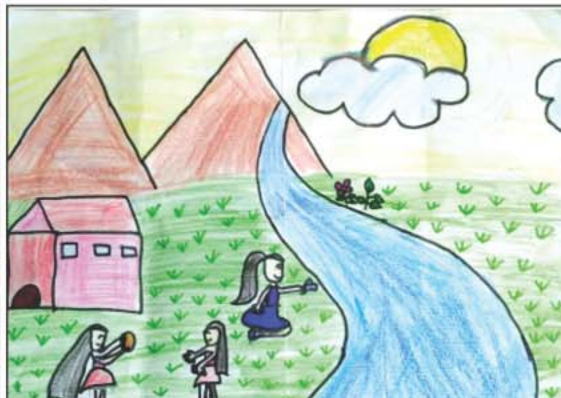

ابوذر انصاری بن ڈاکٹر عبدالحسیب انصاری
درجہ ششم، سینٹ جاسفن پبلک اسکول، انپورنیشوری نگر، بنگلور، یوپی

ارباز جان لیاقت خان، درجہ ششم، نیم گاؤں، ناندور مہاراشٹر

علینہ انصاری بنت ڈاکٹر عبدالحسیب انصاری
درجہ دہم، دنیو کیمبرج انگلش اسکول، بنگلور، کرناٹک

مہک تبسم شیخ فیروز، درجہ پنجم، نیم گاؤں، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

قانون

ادارہ

صفحات:440

قیمت:160 روپے

اردو ادب کی تنقیدی تاریخ

مصنف:سید احتشام حسین

صفحات:341

قیمت:105 روپے

اردو کی کہانی

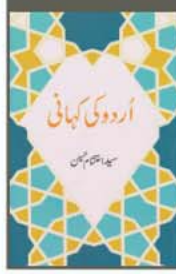

مصنف:سید احتشام حسین

صفحات:104

قیمت:25 روپے

اردو سب کے لیے

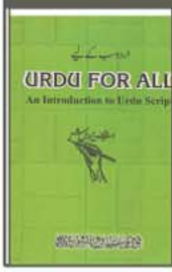

ادارہ

صفحات:116

قیمت:85 روپے

اردو سب کے لیے

مصنف:عبدالودود انصاری

صفحات:121

قیمت:90 روپے

مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ

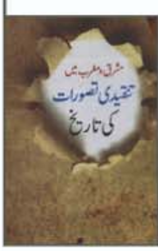

مصنف:محمد حسن

صفحات:373

قیمت:168 روپے

سماجی تحقیق

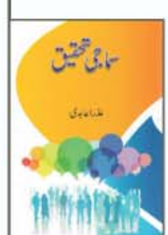

مصنف:عذرا عابدی

صفحات:490

قیمت:215 روپے

جدید ہندی شاعری پر اردو کا اثر

مصنف:ڈاکٹر نریش

صفحات:155

قیمت:90 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, August 2019, Vol. 07, Issue: 08
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/07/19
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات:112، قیمت:25 روپے

صفحات:54، قیمت:25 روپے

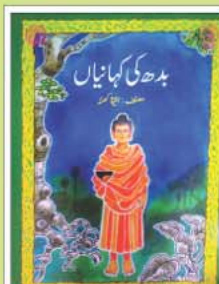

صفحات: 80، قیمت: 65 روپے

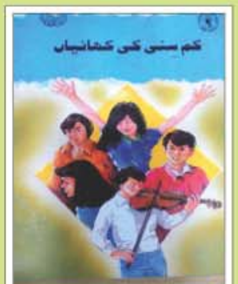

صفحات:80، قیمت:35 روپے

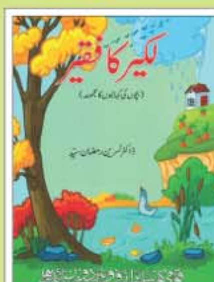

صفحات:113، قیمت:30 روپے

صفحات:61، قیمت:20 روپے

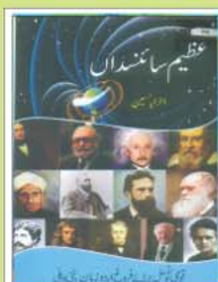

صفحات: 63، قیمت:16 روپے

صفحات:114، قیمت:28 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.